ماھنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

April 2026

مُدیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۳) شوال ۱۴۴۷ھ مطابق اپریل ۲۰۲۶ء شمارہ (۱۰)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر وپبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱/آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ قلم	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
مقالات ومضامین:		
طلبۂ مدارس اسلامیہ...	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۱)
تعلیمِ نسواں	حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب	(۱۲)
اونچ نیچ کی بنیادیں	حضرت مولانا بلال حسنی ندوی	(۱۷)
بارات اور شادی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	(۲۰)
الحاد ودہریت کی نئی لہر	مفتی محمد ذیشان احمد قاسمی	(۲۳)
انسان کی بے بسی	مولانا عبدالماجد دریابادی	(۳۰)
رمضان المبارک کے بعد...	محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی	(۳۱)
دعوت الی اللہ...	عمر فاروق ندوی فتحپوری	(۳۵)
پُرسکون زندگی	مولانا گل نواز ایوبی	(۳۷)
فحاشی اور بے حیائی	مولانا محمد عرفان اللہ اختر	(۳۹)
فقہ وفتاوی	مفتی محمد ریحان گودھروی	(۴۱)
افسانہ		
قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	(۴۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

عالَم دو ہیں عالَم دنیا، و عالَم آخرت۔ عالم دنیا جو فانی اور ختم ہونے والا ہے، عالم آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور خوش گوار بنانے کے لئے مثل کھیتی ہے۔ جب کہ عالم آخرت ہمیشہ باقی رہنے والا اور دائمی ہے اور یہ عالم ان لوگوں کے لئے تو ہمیشہ ہمیش کے لئے سامانِ عیش و آرام کا ذریعہ بنے گا جو اپنے خالق رب ذوالجلال والاکرام کی مرضیات پر چل کر دنیا کی زندگی گزاریں گے، اس کے بالمقابل جنہوں نے اپنی تگ و دو کو صرف اسی فانی و مادّی دنیا کے حصول میں صَرف کیا ہوگا، اور اللہ رب العزت کی مرضیات کا خیال نہ کیا ہوگا، ان کے لئے دائمی عذاب و ہلاکت کا گڑھا ثابت ہوگا۔

اللہ رب العزت کی مرضیات کیا ہیں؟ اس سے آگاہ کرنے کے لئے قدرت باری نے نبوت و رسالت کا سلسلہ شروع فرمایا، جن کی بعثت کا مقصد ہی اپنی مرضیات اور خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے والوں کو اللہ رب ذوالجلال والاکرام کی مرضیات سے آگاہ کرنا اور دنیا کی فانی لذتوں و راحتوں کے مقابلے میں آخرت کی دائمی و لازوال نعمتوں کی جانب راغب کرنا رہا ہے۔

سلسلہ نبوت و رسالت کی آخر کڑی سید الکونین رحمت عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ نے دنیا میں تشریف لاکر کفر و شرک کی ہلاکتوں و بربادیوں سے نسل انسانی کو آگاہ کیا اور آخرت کی دائمی نعمتوں کے حصول کی راہ کو واضح فرمایا جس نے آپ کی تعلیمات کو اختیار کیا، کفر و شرک، حرام خوری و حرام کاری اور فسق و فجور سے اجتناب کیا اور اپنی خواہشات کو اللہ رب العزت کی مرضیات کے تابع کیا، یقیناً وہ آخرت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور ہمیشہ ہمیش جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہے گا۔ اس کے بالمقابل جو لوگ آخرت کو فراموش کئے رہیں گے اور کفر و شرک کا ارتکاب کرتے رہیں گے، ممکن ہے مادی دنیا کی نعمتوں کو جمع کرکے اپنی چند سالہ زندگی کو پرعیش بنالیں، لیکن آنکھ بند ہوتے ہی جب عالم آخرت کے احوال منکشف ہوں گے تو پتہ چل جائے گا کہ دنیا کی نعمتیں اور مال و دولت یہاں کچھ کام آنے والی نہیں ہیں اور خدا کے عذاب سے بچانے والی اب کوئی چیز نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی میں اصل کامیاب و کامران وہ شخص ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنی آخرت سنوار لی اور آخرت کی دائمی نعمتوں کا اپنے آپ کو مستحق بنالیا اور ناکام و نامراد وہ شخص ہے جو صرف دنیا کے مال و اسباب کو جمع کرنے میں لگا رہا اور اپنی اگلی زندگی کے بارے میں کچھ نہ سوچا۔

مسلمان کسی قوم و قبیلے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی کسی خاص ملک کے باشندوں کو اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ مسلمان،

اس شخص کو کہتے ہیں جو توحید ورسالت کے اقرار کے ساتھ نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تعلیمات پر مکمل ایمان رکھتا ہو اور آپ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتا ہو۔ یہی مسلمان ہے اور یہی آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہوگا، اور جو افراد آپ کی تعلیمات پر مکمل اعتماد نہ رکھتے ہوں گے، یا دنیاوی مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی کے چکر میں پھنس کر آپ کی تعلیمات کے مطابق زندگی نہ گزارے ہوں گے وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے، خواہ دنیا میں وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے رہے ہوں، یا کسی مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہوں۔ معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے آخرت میں نجات نہیں ہوگی، بلکہ نجات کامل کے لئے ایمان کامل اور عمل صالحہ بھی ضروری ہے۔

لیکن افسوس! آج جب ہم مسلم معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں اور مسلمانوں کے اعمال واخلاق اور عقائد کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہود کی طرح مسلمانوں نے بھی یہ سمجھ لیا ہے کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے کی وجہ سے ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں، یقینی طور پر آخرت میں ہماری نجات ہوگی، خواہ ہمارے عقائد واعمال جیسے بھی ہوں۔

چنانچہ دیگر گمراہ اقوام کی طرح مسلمان بھی صرف مادّی دنیا کے حصول میں ایسا مصروف ہوگیا ہے کہ بقیہ کسی چیز کی اسے بھی فکر نہیں رہ گئی ہے، نہ اسے خدا ورسول کی مرضی کی فکر ہے اور نہ حلال وحرام اور جائز وناجائز کی، اسے صرف اور صرف دولت واقتدار چاہئے خواہ وہ جس طریقے سے بھی حاصل ہو۔ بلکہ اس کے لئے بعض مرتبہ وہ ایسے افعال بھی کر گزرتا ہے، یا ایسی باتیں زبان سے کہہ دیتا ہے، جس کی وجہ سے اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور عذاب جہنم کا اپنے آپ کو مستحق بنا دیتا ہے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے تو اسے مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے اسلام جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، لیکن دنیاوی مال واسباب کے چکر میں پھنس کر اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا ہے۔

اس وقت اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کی اسی حرص دنیا کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف حیلے بہانے اور مال ودولت کی لالچ دے کر انہیں راہِ حق سے بھٹکانے، خدا ورسول سے رشتہ توڑنے اور کفر وشرک میں مبتلا کرنے کی تگ ودو میں مصروف نظر آرہی ہیں۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ عام مسلمانوں کو آخرت کی نعمتیں اور وہاں کے عذاب کو یاد دلا کر دنیا کی حرص کو ان کے دلوں سے نکالا جائے، آخرت کا خوف دل میں پیدا کیا جائے، اللہ ورسول سے ان کے رشتے کو مضبوط کیا جائے۔ کفر وشرک کی قباحت اور اس کی وجہ سے آخرت میں پیش آنے والے عذاب سے آگاہ کیا جائے اور انہیں بتلایا جائے کہ صرف مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے سے عالم آخرت میں نجات نہیں ہوگی، بلکہ نجات کے لئے ضروری ہے کہ عقائد اور اعمال بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔

اسی کے ذریعے مسلم معاشرے کے فسق وفجور اور ارتداد کو روکا جاسکتا ہے ورنہ خطرہ ہے کہ آخرت سے غافل مسلمان دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے کہیں آخرت کا انکار ہی نہ کر بیٹھیں اور نتیجۃً اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

درس قرآن کریم

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَّوْلَآ أَن تَدٰرَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَإِن يَكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصٰرِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

تفسیر

مشرکینِ مکہ کی روز بروز بڑھتی ہوئی اذیت رسانیوں سے یقیناً مسلمان متأثر ہوتے تھے اور بعض دفعہ جب تکلیفیں ناقابلِ برداشت ہونے لگتیں تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے التجا کرتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان پر عذاب نازل کرے۔ ممکن ہے کبھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب مبارک میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہو تو اس پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ضبط، برداشت اور استقامت کی نصیحت فرمائی جارہی ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝

(اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا، جب پکارا اس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا۔) یعنی اے نبی! اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت کے سلسلے میں جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ پیش آرہا ہے، یہ اس راہ کی لازمی سنتیں ہیں، قوموں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کیا ہے۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیش نظر تو سب رسولوں سے زیادہ کٹھن ذمہ داری ہے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کر سکے، تو اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کسی طرح کی بھی جلد بازی پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ اس راستے کے آخری چراغ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہر صورت جلنا ہے اور روشنی دینی ہے۔

رہی یہ بات کہ ان لوگوں پر عذاب کیوں نہیں آرہا، تو اس کی حکمت کو ہم جانتے ہیں۔ انھیں کب تک مہلت دینی ہے اور کب تک ان کی آزمائش جاری رہنی چاہیے، یہ سب باتیں ہماری حکمت سے متعلق ہیں۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کے حتمی نتائج ظاہر ہونے لگیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی فتح و نصرت اور مخالفین

کی شکست کا فیصلہ ہو جائے۔اس لیے ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان مصائب پر صبر کرنا ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت یونس (علیہ السلام) کی طرح نہ کریں کہ انھوں نے لوگوں کے مطالبے سے تنگ آ کر عذاب کی دعا کر دی اور ان کی طرف سے دعوت کی ناقدری کو دیکھتے ہوئے مرکزِ دعوت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے اذن کا انتظار کیے بغیر چلے گئے۔اور اسی کے نتیجے میں ان کو وہ آزمائش پیش آئی جس کا ذکر سورۃ یونس اور سورۃ الانبیاء میں تفصیل سے موجود ہے۔

حضرت یونس (علیہ السلام) کو صاحب الحوت (مچھلی والا) نہایت پیار سے فرمایا گیا ہے اور اس لیے بھی کہ آپ (علیہ السلام) کو مچھلی نے نگل لیا تھا اور آپ (علیہ السلام) اس امتحان میں مبتلا کر دیئے گئے تھے۔تب آپ (علیہ السلام) کو اندازہ ہوا کہ میں نے اپنے مقامِ دعوت کو چھوڑ کر جلد بازی سے کام لیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے اذن کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ نہایت شدید قسم کے غم سے گھٹے ہوئے انھوں نے مچھلی کے پیٹ کے اندر سے اپنے رب سے فریاد کی اور وہ زندۂ جاوید الفاظ ان کی زبان سے نکلے جو آیت کریمہ کے نام سے معروف ہیں۔(روح القرآن)

''وَهُوَ مَكْظُومٌ'' (اور وہ غصہ میں بھرا تھا) یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے، جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعا، بلکہ پیشن گوئی کر بیٹھے۔بعض مفسرین نے ''مَكْظُومٌ'' کے معنی یہ کیے ہیں کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اور یہ غم مجموعہ تھا کئی غموں کا۔قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اذن صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں محبوس رہنے کا۔اس وقت اللہ کو پکارا اور یہ دعاء کی: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ (الانبیاء:۸۷) اس پر اللہ کا فضل ہوا اور مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔(تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت سعید بن جبیر اور حضرت وہب کے بیان کے موافق اس طرح ہوا کہ نینوا علاقۂ موصل میں ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ لوگ آباد تھے ان کی ہدایت کیلئے اللہ نے حضرت یونس کو بھیجا۔جب انہوں نے حکم نہ مانا تو حضرت یونس نے ان کو اطلاع دی کہ تین روز میں صبح کے وقت تم پر عذاب آئے گا۔ اہل نینویٰ نے آپس میں کہا کہ یونس (علیہ السلام) نے اللہ پر دروغ بندی تو نہیں کی ہے۔اچھا دیکھتے رہو اگر یونس (علیہ السلام) رات بھر ساتھ رہے، تو سمجھ لو کچھ نہ ہوگا اور رات کو نہ رہے (کہیں نکل جائے) تو سمجھ لو سچا ہے، صبح کو عذاب آئے گا۔ چنانچہ یونس (علیہ السلام) آدھی رات کو ہی نینویٰ سے نکل گئے اور صبح کو عذاب کا کچھ ظہور ہونے لگا، سروں سے میل بھر اونچا کالا بادل بلکہ سخت دھواں چھا گیا اور پھر نیچے اتر کر شہر کو ڈھانپ لیا، گھروں کی چھتیں تک کالی پڑ گئیں۔لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ہلاکت کا یقین ہو گیا۔حضرت یونس کو تلاش کیا تو وہ نہ ملے، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا ارادہ پیدا کیا۔سب مرد، عورتیں، بچے اور چوپائے شہر کے باہر میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔کمبل کا لباس پہن لیا، ماں کو بچہ سے اور چوپائے کو اس کے بچہ سے الگ کر دیا۔خلوص نیت کے ساتھ ایمان لے آئے، توبہ کی۔بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑائے تو اللہ نے ان پر رحم فرما دیا۔ ان کی دعا قبول کر لی، آیا ہوا عذاب دور کر دیا۔یہ واقعہ دس محرم کا ہے۔

ادھر حضرت یونس (علیہ السلام) بستی سے نکل کر نزول عذاب اور قوم کی بربادی کے منتظر تھے، لیکن جب کچھ نظر نہ آیا اور انکا قول غلط ثابت ہوگیا (عذاب نازل نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی ان کے پاس موجود نہ تھی) تو کہنے لگے، اب میں جھوٹا ثابت ہوگیا۔ قوم کے سامنے کیسے جاؤں گا۔ یہ خیال کر کے چل دیئے اور سمندر پر پہنچ گئے۔ وہاں ایک کشتی پر کچھ لوگ سوار ہو رہے تھے۔ حضرت کو دیکھ کر بے کرایہ سوار کرلیا، لیکن کشتی سمندر میں پہنچ کر کھڑی ہوگئی، نہ آگے بڑھتی تھی، نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ لوگوں نے کہا: آج اس میں کوئی نئی بات پیدا ہوگئی۔ حضرت یونس (علیہ السلام) نے فرمایا: مجھے اس کی بات معلوم ہے اس پر ایک گنہگار آدمی سوار ہے۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ فرمایا: میں ہوں۔ مجھے سمندر میں پھینک دو۔ کہنے لگے: ہم خود آپ پر قربان ہوجائیں گے آپ کو نہیں پھینکیں گے۔ بالآخر باہم تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا۔ کشتی کے قریب ایک مچھلی منہ کھولے حکم ربی کی منتظر تھی۔ حضرت نے فرمایا: خدا کی قسم تم سب ہلاک ہوجاؤ گے ورنہ مجھے سمندر میں پھینک دو، مجبوراً لوگوں نے پھینک دیا فوراً مچھلی نے لے لیا اور لوگ کشتی لے کر چل دیئے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب کشتی کھڑی ہوگئی تو ملاحوں نے کہا: یہاں کوئی گناہگار آدمی یا بھاگا ہوا غلام کشتی میں ہے۔ کشتی کا یہی طریقہ ہے اور قرعہ ڈالنے کا ہمارا رواج ہے۔ چنانچہ تین بار قرعہ ڈالا اور حضرت یونس کا نام نکلا۔ آپ خود پانی میں گر پڑے اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور اس مچھلی کو ایک اور بڑی مچھلی نے نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو پیام بھیجا کہ ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہے بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے۔ دوسری روایت میں پناہ گاہ کی بجائے قید خانہ کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ قرعہ اندازی سے پہلے حضرت یونس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کھڑے ہو کر فرمایا میں ہی گناہگار بھاگا ہوا (غلام) ہوں۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب تک ہم قرعہ نہ ڈالیں آپ کو پانی میں نہیں پھینکیں گے، لیکن جب آپ کے نام کا قرعہ آ گیا تو آپ خود پانی میں گر پڑے۔ قصہ میں یہ بات بھی منقول ہے کہ سمندر کے کنارے جب آپ پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور دو لڑکے تھے۔ جہاز آ گیا اور آپ نے چڑھنے کا ارادہ کیا تو سوار ہونے کے پہلے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن جہاز اور آپ کے درمیان ایک لہر آ گئی (اور بیوی کو بہا کر لے گئی اور دوسری لہر نے آ کر بڑے بیٹے کو بھی لے لیا اور چھوٹے بیٹے کو (جو کنارہ پر) تنہا تھا۔ بھیڑیا لے گیا، غرض دوسری کشتی میں آپ تنہا سوار ہوئے اور کشتی رک کر کھڑی ہوگئی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: مچھلی آپ کو نگل کر ساتویں زمین کے گڑھے میں لے گئی۔ اس کے پیٹ کے اندر آپ چالیس رات رہے۔ پھر پتھریوں کی تسبیح پڑھنے کی آواز سنی تو اندھیروں کے اندر ہی پکار اٹھے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"۔ (مظہری)

لَوْلَآ أَن تَدٰرَكَهُۥ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ لَنُبِذَ بِٱلْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۝

(اگر نہ سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر) نعمت سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فضل اور اس کی مہربانی ہے جو حضرت یونس (علیہ السلام) کو نصیب ہوئی کہ جب انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ

تعالیٰ کو پکارا، اپنی فروگزاشت کا اعتراف کیا اور اس پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی توبہ قبول فرمائی بلکہ فریضۂ رسالت پر ازسرِ نو مامور فرمایا۔ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و احسان نہ ہوتا تو جس طرح ریت پر مچھلی نے ان کو ڈالا تھا، اسی پر نہایت مذموم حالت میں پڑے رہ جاتے اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے غیر معمولی حالات پیدا فرمائے۔ جب وہ مچھلی کے پیٹ سے باہر پھینکے گئے تو سانس کی آمد و رفت کے سوا ان کے اندر کوئی طاقت نہ تھی۔ دھوپ سے بچنے کی ان میں سکت نہ تھی۔ کس طرح ان پر سایہ کیا گیا، کس طرح ان کی خوراک کا انتظام کیا گیا، کس طرح خاص پودے کا رس ان کے منہ میں نچوڑا گیا اور غیر معمولی طریقے سے ان کو چند دنوں میں صحت دے دی گئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایات تھیں جو محض اس کے فضل سے ان کو حاصل ہوئیں۔ (روح القرآن)

فَٱجۡتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَجَعَلَهُۥ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ۝

(پھر نوازا اس کو اس کے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں۔) یعنی پھر ان کا اور زیادہ رتبہ بڑھایا۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک و شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔ حدیث میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ کہے کہ میں (محمد، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یونس بن متّی سے بہتر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس (علیہ السلام) اور ان کے مقام و مرتبہ کے بارے میں ہر طرح کی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ شدت تاثر سے مغلوب ہو کر آپ (علیہ السلام) سے ایک فروگزاشت ہو گئی، لیکن فوراً ہی توبہ سے انھوں نے اس کی اصلاح کر لی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ انھیں برگزیدہ فرمایا اور اس مقام و مرتبہ پر فائز کر دیا جو انبیائے کرام میں صالحین کا مقام ہے۔ صالح کا لفظ قرآن کریم نے عام نیک بندوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور ان انبیائے کرام کے لیے بھی جنھیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی مراتب سے نوازا ہے۔ (روح القرآن)

وَإِن يَكَادُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لَيُزۡلِقُونَكَ بِأَبۡصَٰرِهِمۡ لَمَّا سَمِعُواْ ٱلذِّكۡرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُۥ لَمَجۡنُونٞ ۝

(اور منکر تو لگ ہی رہے ہیں کہ پھسلا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں قرآن اور کہتے ہیں وہ تو باؤلا ہے)

یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کو کھا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اشرافِ قریش جن طریقوں سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت و تبلیغ کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے ان میں بعض طریقوں کا تعلق نفسیاتی دباؤ سے بھی تھا۔ یہ بھی نفسیاتی دباؤ کا ایک ذریعہ تھا کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے سامنے قرآن کریم پڑھتے، ظاہر ہے کہ اسلامی دعوت کا اصل منبع اور سرمایہ یہی تھا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب بھی کسی کو دعوت دیتے تھے، قرآن کریم ہی کا کوئی حصہ پڑھ کر سناتے تھے اور بعض دفعہ قریش کے اجتماع میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قرآن کریم پڑھ کر سنایا اور اس طرح انھیں اسلام کی دعوت دی۔

ایسے موقعوں پر قریش کے متمردین اور سرکش لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رودرو کھڑے ہو کر تیز نگاہوں سے

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو گھورتے۔ یہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ ہمیں جب بھی موقع ملا، ہم تمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی ان دھمکیوں اور وحشیانہ حرکتوں کا نوٹس لیے بغیر اپنی دعوت کو جاری رکھتے تو وہ زچ ہو کر یہ کہتے کہ یہ شخص یقینا کوئی دیوانہ ہے۔ ورنہ کوئی عقلمند آدمی اس طرح خطرات سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ پروردگار نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانہ ہیں۔ یہ قرآن کریم کسی دیوانے کی بڑ نہیں بلکہ سارے جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اور پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس شان اور مرتبے کی کتاب جس کی مثال جن وانس مل کر بھی لانے پر قادر نہیں، کیا کسی دیوانے کی بڑ ہو سکتی ہے؟

انگریزوں میں کوئی شیکسپیئر کا کلام پڑھ کر اور اردو خاں طبقے میں کوئی کلام اقبال دیکھ کر شیکسپیئر یا اقبال کو دیوانہ کہے حالانکہ ان کے کلام کی نظیر لانا ممکن ہے کیونکہ وہ انسانی کلام ہے، تو دنیا کا کوئی شخص دیوانہ کہنے والے کی تائید تو کیا کرے گا البتہ اس کی دماغی صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار ضرور کرے گا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں ایسی یاوہ گوئی کرنے والے کے بارے میں تو اس سے بھی سخت الفاظ کہے جانے چاہئیں۔ (روح القرآن)

بعض مفسرین نے ''لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب کفار مکہ نے دیکھا کہ آپ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظرِ بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے! تو اس میں فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپ قرآن مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا، واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے۔ آپ نے ''لا حول و لا قوۃ الا باللہ'' پڑھا اور وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ (تفسیر حقانی، تفسیر عثمانی)

فائدہ: منقول ہے کہ قبیلۂ بنی اسد کی نظر کی یہ کیفیت تھی کہ اگر ان میں سے کسی کے سامنے کوئی موٹی اونٹنی یا گائے گزر جاتی اور وہ اس کو دیکھ کر باندی سے کہتا: اری جاریہ! ذرا ٹوکری اور درہم لے کر جانا اور اس کا گوشت لے آنا تو وہ جانور اسی جگہ گر کر فوراً مر جاتا تھا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ نظر حق ہے۔ احمد اور مسلم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ نظر حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی تو نظر آگے بڑھ جاتی۔ حضرت ابوہریرہ کی دوسری روایت میں آیا ہے، نظر حق ہے، نظر کے وقت شیطان آموجود ہوتا ہے اور آدمی پر حسد کرتا ہے۔ (مظہری)

اب قابل بحث یہ بات ہے کہ آیا دراصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو اصابۃ العین کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں نہیں۔ اس لیے کہ ایک جسم کا اثر، دوسرے تک بغیر مماستہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں۔ پھر محض توہم باطل ہے، جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔ محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماستہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول

کر لیتے ہیں جس کی نظیر عمل مسمریزم ہے۔روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں۔روح طیبات کے آثار معجزات وکرامات ہیں۔ارواح خبیثیہ کا اثر ویسا ہی خبیث ہوتا ہے۔پھر اس اثر کی علت گفتگو ہے،کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں،جو شعاع بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔احادیث سے بھی نظر بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔

حضرت امام بصریؒ فرماتے ہیں انہیں آیات:''وَإِن يَكَادُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَٰرِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا۟ ٱلذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُۥ لَمَجْنُونٌ ط وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ط'' کا پڑھ کر دم کرنا بہت سریع الاثر علاج ہے۔(یعنی نظر اتارنے کے لیے ان آیات کو تین مرتبہ پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے یا مریض خود پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے تو جلد شفایابی ہوتی ہے)اور جس کی نظر بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء دھلا کر،اسی پانی سے مریض نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔(حقانی)

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ ۝

(اور یہ قرآن تو یہی نصیحت ہے سارے جہاں والوں کو۔)یعنی قرآن میں جنون اور باؤلے پن کی بات کون سی ہے جس کو تم جنون کہہ رہے،ہو وہ تو تمام عالم کے لیے اعلیٰ ترین پند و نصیحت کا ذخیرہ ہے۔اسی سے بنی نوع انسان کی اصلاح اور دنیا کی کایا پلٹ ہوگی۔اور وہ ہی لوگ دیوانے قرار پائیں گے جو اس کلام کے دیوانے نہیں ہیں۔(تفسیر عثمانی)

قرآن کریم تو نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سودمند ہے بلکہ تمام جہان کے لئے۔ اس لیے کہ اس عہد میں تمام جہان بت پرستی و بدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا اور قرآن مجید میں تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔اس کے علاوہ مکارم اخلاق واصول حسنات وارکان سعادت دارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت وسعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تھا تو تمام جہان کے ناصح اور مسلّم سعادت کو کیونکر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیونکر دیوانہ ہوسکتا ہے۔(حقانی)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے،بلکہ ایک دینی،علمی،اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔

قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں،گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

مضامین ومقالات

طلبۂ مدارس اسلامیہ سے چند باتیں

مولانا عرفان ثاقب قاسمی

الحمدللہ! دینی مدارس میں نیا تعلیمی سال چل رہا ہے، اور طالبان علوم نبوت اپنے گھروں سے رخصت ہوکر جوق در جوق مدارس کا رخ کر رہے ہیں، بلاشبہ اپنے اہل خانہ خصوصاً والدین کو چھوڑ کر اور گھر کے عیش وآرام کو قربان کر کے صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لیے مدرسوں میں داخلہ لینا، وہاں کی کچی پکی کھا کر علوم قرآن وحدیث کو حاصل کرنا اور علوم نبوت سے اپنے سینے کو منور کرنا، بڑی سعادت اور نیک بختی کی بات ہے، رب کریم کی خصوصی عنایت ورحمت ہے اور اس کا فضل ہے کہ اس نے اپنے دین کو حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ لیکن یہ قربانی اسی وقت ثمر آور ہوسکتی ہے جب طلبہ کرام علم کے سفر کو نہایت تیقظ اور بیداری کے ساتھ طے کریں اور حصول مقصد کے لیے اپنے قیمتی اوقات کا بھرپور استعمال کریں، اخلاص کے ساتھ عمل کی نیت سے حاصل کریں اور اس جذبے سے حاصل کریں کہ پڑھنے کے بعد دین کی خدمت کرنا ہے اور دعوت تبلیغ کا فریضہ انجام دینا ہے۔ علم حقیقی اور علم نافع وہی ہے جو خشیت وتقوی، دیانت وذمہ داری، اخلاص اور بے لوثی کا جذبہ پیدا کرنے والا ہو ورنہ سب دنیاداری اور دکھاوا ہے۔

لہٰذا طلبہ کرام اپنی اور پوری امت کی ذمہ داری کا احساس اپنے اندر پیدا کریں، علمی استعداد کو پختہ سے پختہ تر بنانے کے ساتھ تقوی ودیانت داری اختیار کرنے کا اہتمام کریں، مخلوق سے استغناء وبے نیازی کے ساتھ صرف اللہ تعالی سے مانگیں، اپنے اساتذہ کرام سے مضبوط ربط رکھیں تاکہ خشیت وپرہیزگاری، امانت ودیانت اور رسوخ فی العلم طبیعت میں رچ بس جائے، نمازوں کا اہتمام کریں، تلاوت قرآن کا معمول رکھیں، اور مطالعہ ومذاکرہ علمی کے علاوہ تمام مشاغل سے یکسو رہیں، موبائل سے، لغویات وبے مقصد امور سے اور خلوت وجلوت کے تمام گناہوں سے مکمل اجتناب کریں، اور سب سے اہم بات یہ کہ ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھنے کے بجائے علمی تحقیقات کے نتائج، نظریاتی حدود کے تعین اور اختلافات کے حل میں ہمیشہ اپنے اکابر کے تابع رہیں اور جدیدیت اور مروّجہ آوارگیِ فکر سے بچنے کا بہت اہتمام کریں، تاکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے حقیقی وارث بن سکیں اور ان تمام فضائل اور انعامات کو حاصل کرسکیں جو اللہ تعالیٰ نے علمائے امت کے لیے رکھے ہیں، اللہ سے روزانہ حصول توفیق کے لیے دعائیں مانگیں، شکرگزاری اور قدردانی کا استحضار رکھیں اور یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ ہم کتنے ہی باصلاحیت اور ذہین ہوں، اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں، بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت گزاشتت

(تم بادشاہ پر احسان مت رکھو کہ تم اس کی خدمت کر رہے ہو، بلکہ اس سلسلے میں بادشاہ کا احسان پہچانو کہ اس نے تمہیں خدمت کا موقع دیا)

تعلیمِ نسواں

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ

ترقی کا پہلا زینہ: تعلیم کا مسئلہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کرسکتی، کسی قوم کی ترقی کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔ اسلام میں بھی سب سے پہلے پڑھنے ہی کی آیت نازل ہوئی اور فرمایا: ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ﴾ (العلق: 1) اسلام سے قبل کا زمانہ بداخلاقی، بداعمالی، اور برائیوں سے بھرپور تھا، لیکن اس زمانے کا نام بداخلاقی اور بداعمالیوں کا زمانہ نہیں رکھا، بلکہ اس کا نام جہالت کا زمانہ رکھا، معلوم ہوا کہ ہر برائی کا سرچشمہ جہالت ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا بنیادی سرچشمہ تعلیم ہے۔ تعلیم کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنا اہتمام کیا اور کسی چیز کے بارے میں نہیں کیا، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو ان کے کھانے، پہننے اور رہنے کا انتظام نہیں کیا، بلکہ اولاً تعلیم کا بندوبست کیا، جیسے: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ کُلَّهَا﴾ (البقرۃ: 31) کہ انہیں اشیا کے نام سکھلا کر ملائکہ سے مقابلہ کرایا اور وہ کامیاب ہوئے تو خلافت سے بہرہ ور کیا اور خلافت کا تاج سر پر رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿اسْکُنْ أَنتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ﴾ تو رہنے سہنے کا انتظام بعد میں ہوا، پہلے تعلیم کا انتظام کیا۔ معلوم ہوا کہ علم اور تعلیم کا بہت درجہ ہے۔

دنیا ایک تعلیم گاہ ہے: بغیر تعلیم کے حیوان اور انسان میں فرق نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر اس پر اکتفا نہیں کہ باپ کو تعلیم دیتے اور بس کرتے، بلکہ اولاد کو بھی تعلیم دی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر دایاں ہاتھ مارا تو نیک اولاد نکلی اور بایاں ہاتھ مارا تو بری اولاد نکلی اور اس کے بعد تمام کو وادی ذاران میں جمع کر کے ان (دونوں) سے خطاب کیا۔ اور فرمایا: ﴿الَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی﴾ (الأعراف: 172) تو اس سے بھی مقصود تمام کو تعلیم دینا تھی، ربوبیت کے بارے میں کہ میں تمہارا رب ہوں۔ تو اس سے بھی تعلیم کا اہتمام معلوم ہوا، گویا دنیا ایک مدرسہ ہے اور تمام انسان اس کے طالب علم ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے معلم ہیں اور انبیا علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خصوصی شاگرد ہیں، تو دنیا کی پیدائش کا مقصد تعلیم ہے اور اس کے بعد عبادت ہے، حسن معاشرت ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں ضرورت پڑتی ہے کہ طالب علم کے لیے وظیفہ ہو، تاکہ کھانا پینا اور رزق حاصل ہو تو اس کے لیے زمین اور دریا بنائے، مطالعہ کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو چاند ستارے اور سورج کو پیدا کیا، تو جب ہم اس دنیا سے قبر میں جائیں گے، اسی تعلیم سے متعلق سوال ہوگا اور اس کا امتحان ہوگا، (:مَنْ رَبُّکَ؟) یہ اول امتحان ہوگا اور بڑا امتحان میدان حشر میں ہوگا۔ کچھ کامیاب ہوں گے اور کچھ ناکام۔ کامیاب کو انعامات دیے جائیں گے اور ناکام کو سزا دی جائے گی اور اس امتحان میں تمام شریک ہوں گے۔

اس میں بوڑھے، جوان اور بچے کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ عالم ارواح میں تو تمام کی روح یکساں تھیں، مگر آخر عمر

کے اعتبار سے کہ جو پیدائش کے بعد جلدی مرے گا تو وہ بچپن اور جو جوانی میں مرے گا وہ جوان اور جو بڑھاپے میں وہ بوڑھا، تو ان روحوں میں بھی جوان، بچے اور بوڑھے اس اعتبار سے تھے، اس لیے تعلیم کا اتنا لحاظ رکھا گیا کہ جوان، بچے اور عمر رسیدہ تمام سے امتحان ہوگا، تو تعلیم ایک بنیادی چیز ہے اور دنیا کے آباد کرنے کا مقصد یہی ہے۔

عورتوں کی تعلیمی ذمہ داری اور اس کے نتائج واثرات: تعلیم کا سلسلہ عورتوں کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی تربیت یہیں سے شروع ہوئی ہے۔ قوم کی تعلیم کا دارومدار ماں کی تعلیم پر ہے، اگر وہ جاہل ہے تو قوم جاہل رہے گی الا ماشاء اللہ، جس کی فطرت سلیم ہوا گر وہ عالم ہوئی تو اولاد بھی عالم ہوگی، اگر والدہ کے قلب میں تعلیم کی طرف رغبت موجود ہو تو بچے بھی اس کی رغبت سے فیض یاب ہوں گے، اگر ماں خود رغبت سے خالی ہے تو بچے بھی ایسے ہی رہیں گے۔ اس لیے سب سے پہلے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بھی سب سے پہلے اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے، جس میں توحید ورسالت اور عبادت کی تعلیم ہے، تو اس اذان کے ذریعے اصول وفروع عقائد واعمال کی تعلیم دی جاتی ہے اور حی علی الفلاح میں اس کا انجام اور نتیجہ بھی بتادیا جاتا ہے کہ فلاح اور کامیابی ہے، جو آخرت میں تمہیں میسر ہوگی تو ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے اسلام میں تعلیم کا کتنا بڑا مرتبہ اور درجہ ہے، اسی لیے اس پر زور دیا گیا ہے۔

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ" (المعجم الأوسط للطبرانی) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد ہر مسلمان مرد وعورت کو معلوم ہو جائے کہ میں کیسا مسلمان ہوں اور مسلمان کے کیسے اخلاق ہونے چاہئیں، چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے ادب واحترام سے پیش آنا، رہنے سہنے اور حسن معاشرت کا طرز عمل معلوم ہو، اس لیے تعلیم واجب قرار دے دی گئی ہے تمام پر، خواہ مرد ہو یا عورت، اس کے بعد دوسرے اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو عبادت کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

تو حقیقت میں یہ مقصد عورتوں سے ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب ماں تعلیم یافتہ ہوگی، بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کر دے گی، جس سے اس کے اخلاق سدھر جائیں گے اور اگر بالفرض ماں بچے کو تعلیم نہ بھی دے، مگر وہ ماں نیکوکار اور با اخلاق ہے تو اس کی نیکوکاری اور حسنِ اخلاق کی برکت سے اولاد بھی دین دار بن جائے گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو قوم میری فرماں برداری کرتی ہے تو میں اس کی سات پشتوں تک اور نسلوں تک رحمت کو بھیجا کرتا ہوں اور اگر فرماں برداری نہیں کرتی اس کی سات پشتوں تک لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکوکاری اور بدکاری کا بڑا اثر ہے جو سات پشتوں تک جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ والدین جیسے ہوں ویسے ہی ان کے بچے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر والدین عالم ہیں تو بچے میں بھی علم کا اثر ہوگا کہ وہ جائز وناجائز کے مطابق گفت وشنید کرتا ہوگا۔ اگر دکان دار ہیں تو بچے میں بھی دکان داری کے اثرات، حساب وغیرہ کچھ نہ کچھ موجود ہوں گے۔ اگر والدین کھیتی باڑی کرتے ہیں تو بچے میں بھی اس کا اثر موجود ہوگا، تو یہ اثر ہے ماں کے ماحول کا بچے پر اثر ہوگا۔ اب سب سے پہلا حق انسان پر اپنے نفس کا ہے۔ دوسرا حق اولاد کو پڑھانا

کہ وہ صحیح راستہ پر چلے، یعنی مخلوق کا ہے اور تیسرا حق معاشرے کا ہے اور یہ تینوں علم پر موقوف ہیں تو جتنا علم حاصل کریں گے خاندان علمی بنتا جائے گا اور ماحول خوش گوار ہوتا جائے گا۔

ملکہ کے تقوے کا اس کی اولاد پر اثر: امیر عبدالرحمن خان والی کابل کے دادا امیر دوست محمد کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی، اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی، دو تین دن بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے، اس سے بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم، شہزادے کی کم زوری کا اور قوم کی ملامت کا، تو وہ اس غم کے اندر محو ہو کر گھر آیا اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا کہ یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا: سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے، وہ کیسے غلط ہوسکتی ہے؟ مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہوسکتی، تو بادشاہ گھر سے نکل آیا کہ یہ عورت ہے۔ یہ مرغے کی ایک ٹانگ ہانکے گی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے، شہزادہ فتح پا کر واپس آرہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا، تجھے کیسے معلوم ہوا تھا کہ وہ شکست نہیں کھا سکتا؟ کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلایا؟ اس نے کہا کہ کچھ نہیں، صرف اللہ تعالیٰ نے میرے لاج رکھ لی، یہ میرا راز ہے، میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی۔

آخر اصرار کرنے پر بتایا، جب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کرلیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے، اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھایا جو مشتبہ ہو، اس لیے اس کے اخلاق رذیل اور برے نہیں ہوسکتے۔ شہید ہونا یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیرنا یہ اچھا خلق نہیں ہے، تو شہزادہ شہید ہوسکتا ہے اور کٹ کر مرسکتا ہے، مگر پشت پھیر کے فرار نہیں ہوسکتا۔ اور پھر اس پر بس نہیں، بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی، تاکہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو۔ اور جب دودھ پلاتی تو وضو کر کے اور دو رکعت نفل ادا کر کے پلاتی، اس لیے ان چیزوں سے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں، اس لیے میں نے تمہاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلایا، مگر اپنے قول سے باز نہیں آئی۔

جب امیر دوست محمد کی بیگم اتنی متقی بن سکتی ہے جب کہ آرام وعیش کے تمام اسباب موجود ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر متقی بن سکتی ہے تو ہماری آج کل کی بہنیں جھونپڑیوں میں رہ کر کیوں کامل نہیں ہوسکتیں؟ جو رکاوٹیں ان کو تھیں وہ تمہیں نہیں۔ بعض لوگ حیلہ جو ہوتے ہیں اور ہر کام اور ہر بات میں حیلہ تلاش کرتے ہیں، مگر حیلوں سے کچھ نہیں بنے گا۔ اور یہی حیلہ کرنے والے قیامت کے دن بھی حیلہ سازی کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں وقت نہیں ملا، اس لیے اطاعت نہیں کی، بلکہ دولت میں مشغول رہے اور اس سے فرصت نہیں ملی تو اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہما السلام کو پیش کریں گے کہ باوجود اتنی دنیا اور دولت کے اللہ کے مقبول بندے اور نبی ہیں۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے مردان ہمت تھے، ان کی عورتیں بھی ایسی تھیں اور ایسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری وحی کا آدھا علم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور آدھا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت بڑے بڑے درجہ کے تابعین رحمہ اللہ علیہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ شاگرد رہے ہیں، تو جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کا آدھا علم سیکھ سکتی ہیں تو آج کل کی بہنیں ابتدائی حالات اسلام کے اور معاملات کا علم بھی حاصل نہیں کرسکتیں؟ حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ علیہ کی حدیث کی کتاب کا املا ان کی لڑکی نے لکھا تھا، آج تمام اُمت پر اس کا احسان ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ بڑے صوفیا میں سے گزری ہیں۔

عورت اور منصب افتا: فقہ کی کتاب "بدائع الصنائع" کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک بہت بڑے محدث کی لڑکی بڑی عالم اور محدث تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حسین اور خوب صورت تھی، بہت بڑے بڑے علما کے پیغام نکاح کے آئے اور ایسے ہی سلاطین وغیرہ نے بھی پیغام بھیجے، مگر تمام سے اس لڑکی کا علم زیادہ تھا، اس لیے پیغام قبول نہیں ہوتا تھا، اس لڑکی نے یہ شرط مقرر کی کہ تمام علم فقہ میں کتابیں تصنیف کریں، جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی میں اس سے نکاح کرلوں گی، اس پر ہزاروں کتابوں کی تصنیف ہوئی تو اسے بدائع الصنائع پسند آئی، اور اس سے اس نے نکاح کیا۔ آج کل اگر ہماری بہنیں کمال اور مہارت حاصل نہ کرسکیں تو کم از کم حقوق کی ادائیگی کا علم تو حاصل کرلیں کہ خاوند کے یہ حقوق ہیں اور بچوں کے یہ حقوق ہیں۔

مقصد علم: "وقائع" میں لکھا ہوا ہے کہ سلجوقی کے عہد میں مدرسہ نظامیہ بنایا گیا، شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے، بعد عرصہ مدید کے معلوم ہوا کہ پڑھنے والوں کی نیتیں فاسد ہیں، تو بادشاہ وقت نے ارادہ کیا کہ مدرسے کو ختم کردوں، مگر خیال آیا کہ ایک دفعہ دیکھ لوں کہ واقعی سب کی نیتیں فاسد ہیں کہ نہیں؟ چناں چہ ایک رات نظام الملک خود آیا، ایک ایک طالب علم سے سوال کرتا رہا تم کس لیے پڑھ رہے ہو؟ کوئی جواب دیتا کہ میرا والد بادشاہ کا قاضی ہے، میں اس لیے پڑھ رہا ہوں میں کہ میں بھی قاضی بن جاؤں۔ کوئی کہتا کہ میرا والد بہت معروف اور مشہور عالم ہے۔ اطراف میں اس کی شہرت کا ڈنکا بج چکا ہے، تو میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ میری بھی شہرت ہوجائے۔ وغیر ذلک۔

نظام الملک نے تمام طلبا کو دیکھا کہ ان کی نیتیں فاسد ہیں، تو تہیہ کرلیا کہ مدرسے کو بند کردیا جائے۔ میرے لاکھوں روپے ضائع ہورہے ہیں۔ صحیح نیت سے کوئی نہیں پڑھتا کہ ثواب حاصل ہوجائے، اس فیصلہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی نظر ایک طالب علم پر پڑی، جو مطالعہ میں مستغرق تھا۔ نظام الملک اس کے پاس گیا، مگر اس طالب علم نے کتاب سے ایک لمحہ کے لیے نگاہ نہ اٹھائی۔ پوچھا: تم بڑے مستغنی ہو؟ کہا: میرا مقصد کتاب کا مطالعہ کرنا ہے، چہروں کا مطالعہ کرنا نہیں۔ نظام الملک نے پوچھا: تمہارا ایک دو منٹ کے لیے حرج تو ہوگا، لیکن یہ بتاؤ کہ آپ کا اس پڑھنے سے مقصد کیا ہے؟ تو اس نے کہا: میں نے ماں باپ سے سنا ہے ہمارا ایک خدا ہے جس نے ہمیں زندگی عطا کی ہے۔ وہ ایک محسن ہے اور اس کے حقوق مجھے معلوم نہیں تو میں محسن کے حقوق جاننے

کے لیے تعلیم حاصل کررہا ہوں۔ نظام الملک نے کہا: میرا تو ارادہ اس مدرسے کے توڑنے اور بند کرنے کا تھا، لیکن جب تک تم اس مدرسہ میں پڑھتے رہو گے تمہاری وجہ سے مدرسہ جاری رہے گا۔ یہ طالب علم حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تھے۔ چناں چہ نظام الملک نے اس مدرسے کو باقی رکھا۔ معلوم ہوا اصلی مقصد علم سے حقوق کی ادائیگی ہے اور ہم میں سے کون ہے جس پر حقوق نہیں ہیں۔ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، تمام پر حقوق ہیں، تو ان حقوق کے بتلانے کے لیے تعلیم سکھائی جاتی ہے۔

تعلیم حق فطرت وعقل ہے: تعلیم ایک فطری چیز ہے کہ فطرتاً محسن کا حق ادا کرنا چاہیے اور عقلی بھی ہے، تو جو جاہل ہے وہ فطرت اور عقل دونوں کے خلاف کررہا ہے اور احکام شرعیہ وعقلیہ کے خلاف کررہا ہے، ہمیں اپنی بچیوں سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ محسن کشی کریں گی اور عقل وفطرت کو آگ لگائیں گی۔

عورت کی صلاحیت: اکثر عورتوں کو یہ خلجان اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترقی اور علم وفضل کا میدان مردوں کے لیے ہے اور عورت تو گھر میں بیٹھنے والی ہے، اس کو علم سے کیا واسطہ؟ مگر ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے، بلکہ کتابوں سے عورتوں کے بڑے فضائل معلوم ہوتے ہیں۔ "صفۃ الصفوۃ" ایک کتاب ہے، اس میں مستقل عورتوں کا ایک باب باندھا گیا ہے۔ ان کی سیاست، ان کی تعلیم اور جہاد کا بیان ہے، حتی کہ عورتوں کی کشتی کا بھی بیان ہے کہ انھوں نے کشتی میں بڑے بڑے بہادر مردوں کو پچھاڑ دیا، تو تاریخ اس کو جھٹلاتی ہے، بلکہ عورتوں نے میدان جنگ میں کام کیا ہے۔

عورت کی نبوت: دوسری بات یہ ہے کہ دین مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ہاں! بعض چیزیں ایسی ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔ جیسے رسالت اور قاضی القضاۃ کا عہدہ کہ عورت رسول اور قاضی القضاۃ نہیں بن سکتی، کیوں کہ اس کی قابلیت عورت میں نہیں، مگر سب سے بڑا کمال جو نبوت کا ہے، ایک بڑی جماعت اس پر ہے کہ عورت کو نبوت مل سکتی ہے۔ ابن حزم بھی یہی کہتے ہیں، اگرچہ جمہور کا یہ مسلک نہیں، جس جماعت نے اس کا قول لیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی آتی رہی، تو وہ نبی ہیں، فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا نبی تھی، تو جب اس قول کے مطابق عورت کو نبوت، جو ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے، اس کا حصول ممکن ہے تو اور کیا کمال چاہیے؟ اور کون سی فضیلت ہے جس کو وہ حاصل نہیں کرسکتی؟ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الآية﴾ (الاحزاب: 35) اس آیت میں مرد اور عورت کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ عبادات، اخلاق اور معاملات میں یکساں ہیں، تو مبدائے فیاض سے فرق نہیں، عقل اور نقل اس کو جھٹلاتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اہتمام تعلیم کا ہے۔

عورتوں کی دینی ترقی: انبیا علیہم السلام کو بھی اس کا اہتمام ہے، امت کے بڑوں اور نامور لوگوں کو بھی اس کا اہتمام ہے، تو کیا وجہ ہے کہ ہماری بچیاں جہل کو چھوڑ کر دینی تعلیم کی طرف نہیں آسکتیں، ایک دور میں یہ بات تھی کہ مخصوص گھرانے علم سے مختص ہو گئے اور مائیں اولاد کو تعلیم سکھاتی تھیں، مگر اب یہ اختصاص نہیں، اب ادارے قائم ہیں، عورتیں اس میں تعلیم حاصل کریں تو آئندہ چل کر نسلیں نیک بنیں گی۔

اونچ نیچ کی بنیادیں

حضرت مولانا بلال حسنی ندوی

اس دنیا میں انسان کو بسے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں، لیکن انسان انسان میں آج جتنا بھید بھاؤ ہے، شاید ہی کبھی دنیا نے اپنے اوپر بسنے والوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہو، کہیں رنگ ونسل کا فرق ہے، کہیں علاقائی زبان کی بنیادوں پر ایک دوسرے کا خون کیا جارہا ہے، مالدار غریبوں کا خون چوسنے میں مصروف ہیں، انسانی مساوات و ہمدردی کی چولیں ہل چکی ہیں، سگے رشتوں میں اجنبیت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں، ایک افراتفری بلکہ نفسانفسی کا عالم ہے، یہ نتیجہ ہے دنیا کے ان خودساختہ نظاموں کا جن کے تجربے سے آج یہ دنیا گزر رہی ہے۔

یورپین قوموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو سفید چمڑی کے پیچھے کالے کرتوتوں کا ایک سلسلہ ہے، خاندانی بنیادوں پر ان کے یہاں جو تفریق ہے، پڑھے لکھے لوگوں میں شاید ہی اس کی مثال ملے، کالے گورے کا امتیاز ان کی گھٹی میں پڑا ہے، کالوں کا درجہ ان کے یہاں جانوروں سے زیادہ نہیں تھا، اور اب بھی اس کی خُو بُو ان کے مزاج میں بسی ہوئی ہے، لسانی تعصب کا حال یہ ہے کہ فرانس کے باشندہ کو جرمن زبان سے بیر ہے، تو جرمن کا رہنے والا جاننے کے باوجود فرانسیسی زبان بولنے کا روادار نہیں، انگریزی زبان جس کو مشرقی ملکوں کے سر تھوپ دیا گیا ہے، آج بھی بہت سے مغربی ممالک اس کا استعمال باعثِ عار سمجھتے ہیں، قبائلی عصبیت کی بنیادیں ان کے یہاں ابھی بہت گہری ہیں، البتہ موجودہ مغربی نظام نے آزادی کے پردہ میں بے حیائی کو اس قدر فروغ دے دیا ہے کہ باپ بیٹے کے مقدس رشتے میں گہری دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان تو چھوا چھوت کا مرکز ہی ہے، یہاں انسان کو خاندانی بنیادوں پر جس طرح اونچ نیچ کا شکار بنایا گیا ہے، اس کی مثال دوسری جگہ ملنی مشکل ہے، یہ ہندوؤں کا مستقل ایک ''مذہبی فلسفہ'' ہے، جس کی انتہاء یہ ہے کہ اگر شودر کے کان میں ان کی مقدس کتاب کے اشلوک پڑ جائیں تو اس کے کانوں میں سیسہ پلا دینے کا مذہبی حکم ہے، خاندانی بنیادوں پر مذہبی مقامات کی تقسیم ہے، نچلی ذات کا آدمی اعلیٰ ذات کے مذہبی مقام پر نہیں جاسکتا، نہ ان کے ساتھ مذہبی رسوم میں شریک ہوسکتا ہے، ان کا تصور یہ ہے کہ اس ذات کے آدمی کو اعلیٰ ذات والوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اعلیٰ ذات والوں سے برابری کا وہ خیال بھی نہیں لاسکتا۔ لسانی عصبیت کا عالم یہ ہے کہ ہندی جو سرکاری زبان ہے، جنوبی ہندوستان کی ریاستوں میں اس کا ملنا مشکل ہے، وہاں کے رہنے والوں سے اگر ہندی میں کوئی ضرورت مند سوال بھی کرے تو واقفیت کے باوجود وہ انجان بن جائیں گے، اور اب تو صوبائی عصبیت کو بھی فروغ دیا جارہا ہے۔

دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی کچھ اس انداز کی عصبیتیں نظر آئیں گی، رنگ و نسل، زبان، قومیت و وطنیت، خدا جانے کتنے بت ہیں جو دنیا کے انسانوں نے اپنے دلوں پر بٹھا رکھے ہیں، کچھ یہی صورت حال آج سے چودہ سو سال پہلے جزیرۃ العرب کی بھی تھی، انسانوں کی تقسیم قبائلی بنیادوں پر تھی، اسی کو تقابل و تفاخر کا معیار سمجھا جاتا تھا، زمانۂ جاہلیت کی عربی شاعری اس سے بھری پڑی ہے، ''أنصر أخاک ظالما أو مظلوما'' (بخاری) زمانۂ جاہلیت کا نعرہ تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرنی ہے، وہ حق پر ہو یا حق پر نہ ہو، ظلم کوئی کرتا تھا، پکڑا کوئی جاتا تھا، اسلامی مساوات نے آ کر یہ سارے امتیازات مٹا دیئے اور صاف صاف اعلان کر دیا: ''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا'' (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تم کو برادریوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔''

یہ سورۂ حجرات کی تیرھویں آیت ہے، جس میں انسان کی اصل بیان کی گئی ہے، اور یہ بات صاف کر دی گئی ہے کہ سب کے سب انسان ایک باپ اور ایک ماں کی اولاد ہیں، گویا کہ یہ ایک ایسی انسانی برادری ہے جس سے انسانی اخوت کا رشتہ قائم ہے، ایک بھائی کو دوسرے بھائی پر کسی قسم کا خاندانی امتیاز حاصل نہیں ہوتا، جو کچھ بھی امتیاز ہوتا ہے وہ فضل و کمال کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسی آیت میں خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم کے بارے میں بھی صاف صاف کہہ دیا گیا کہ اس کی مصلحت صرف یہ ہے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں ایک دوسرے کو پہچاننا اور معاملہ کرنا آسان ہو، خاندانی بنیادوں پر کسی کو کوئی تفوق و امتیاز حاصل نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے جو لشکر تیار فرمایا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا، جبکہ حضرت عمرؓ جیسے حضرات اس لشکر میں موجود تھے، تاکہ اسلامی مزاج کی مکمل شرح و ترجمانی ہو جائے۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر قریشی بچوں کے بجائے ان بچوں کو بٹھایا جو خاندانی اعتبار سے وہ حیثیت نہیں رکھتے تھے، اس کی مصلحت یہی تھی، تاکہ عربوں کے ذہن سے نسلی تفاخر کا بیج نکل جائے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا:

''**إن اللہ قد أذهب عنكم عبية الجاهلية و فخرها بالآباء، مؤمن تقي و فاجر شقي، أنتم بنو آدم و آدم من تراب۔**'' (اللہ تعالیٰ نے جاہلی نخوت اور باپ دادا پر فخر و غرور کو تم سے دور کر دیا، اب یا تو پرہیزگار مومن ہے یا بدبخت فاسق و فاجر، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے)۔

اولادِ آدم کو بار بار یہ بتانے کی ضرورت اس لیے پڑ رہی ہے کہ اس نے اسی حقیقت کو فراموش کر دیا کہ وہ سب ایک باپ کی اولاد ہیں، ان سب کی اصل ایک ہی ہے، وہ اس بنیاد پر کس طرح اظہار فخر کر سکتے ہیں، جبکہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا، بلال حبشیؓ، زید بن حارثہؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، سب اسی وحدت انسانی کی یادگار ہیں، جو انسانیت کے لیے اسلام کا بہت بڑا عطیہ ہے، اسلام نے ان غلاموں اور دور افتادہ کم حیثیت لوگوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس

طرح آغوش محبت میں لیا کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے لیے یہ حضرات باعث فخر بن گئے، حضرت عمر فاروقؓ ایک حبشی غلام کو سیدنا بلال کہہ کر کیوں خطاب کہہ رہے ہیں، یہ صرف اسلام کا تحفہ ہے، اس نے عزت کے پیمانے بدل دیئے، جو کمزور سمجھے جاتے تھے وہ سردار قرار پائے، جو عزت و ناموری میں ممتاز تھے، ان میں کتنوں کے نام ونشان مٹ گئے۔

اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں آج دوبارہ وہ جاہلیت لوٹ کر آرہی ہے، جو اہل دین سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں یہ بات پیدا ہورہی ہے، مسجدوں اور مدرسوں کے نام برادریوں کے نام پر رکھے جانے لگے ہیں، یقینا یہ اسی نخوت جاہلیت کا ایک بیج ہے، جو دماغوں میں پڑ گیا ہے، اس کو کھرچ کر پھینک دینے کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا: ''**من تعزی بعزاء الجاهيلة فأعضوه بهن أبيه و لا تكنوا**'' (جو جاہلیت کا نعرہ لگائے، اس کو اس کے باپ کی کھلی گالی دو اور اشارہ کنایہ سے کام نہ لو)۔ یہ الفاظ اس زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں جو سراپا رحمت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال جاہلیت کو مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے، جاہلی نخوت کو کیسے برداشت فرماتے، ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ''**ليس منا من دعا إلى عصبية**۔'' (جو عصبیت کی دعوت دے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں)۔ اسلام نے تفاخر وتفاضل کے سارے حدود ختم کر دیئے، صرف ایک حد باقی رکھی جو وجہ امتیاز ہے، اور نشان فخر ہے، اور وہ ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حد۔

آیت شریفہ میں ایک بات اور خاص طور پر توجہ کرنے کی ہے، سورۂ شریفہ کی ابتداء سے بار بار اہل ایمان کو خطاب ہورہا تھا، لیکن یہاں عمومی خطاب ہے، تمام انسانوں کے لیے، اس میں عالمی انسانی برادری کی طرف اشارہ ہے، تمام انسان خواہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کالے ہوں، گورے ہوں، امیر ہوں، غریب ہوں، محلات کے رہنے والے ہوں یا کاخ فقیری ان کا نشان امتیاز ہو، سب ایک باپ کی اولاد ہیں، اس حیثیت سے کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں، ارشاد نبویؐ ہے:

''**فليس لعربي على عجمي فضل و لا لعجمي على عربي فضل و لا لأسود على أبيض و لا لأبيض على أسود فضل إلا بالتقوى**۔'' (کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی امتیاز وفضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے امتیاز کے)۔

اس میں خاص طور پر دعوت عمل ہے کہ کوئی محض خاندانی امتیاز کی بناء پر مطمئن ہوکر بیٹھ نہ رہے، اصل وجہ امتیاز خصائص وکمالات اور صفات ہیں، جن کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے، یہی خصائص وکمالات انسان کو دوسروں پر ممتاز کرتے ہیں۔

بارات اور شادی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
مرتب: مفتی زید مظاہری

اصل بات یہ ہے کہ یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں (اور ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا، اس لئے دولہا، دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی، اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو اور اب تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے۔ اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے۔ (عضل الجاہلیہ صفحہ ۳۶۷، اصلاح الرسوم صفحہ ۶۲) صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے منگنی کا نام قیامت صغریٰ اور شادی (بارات) کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔ اب تو بارات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے (اور اس کے بغیر شادی ہی نہیں ہوتی) اس کے لئے دولہا والے اور کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اور اس سے غرض ناموری (شہرت) اور تفاخر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ (طے کرنے) کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے، لیکن نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ خود موجود نہ تھے، بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ "ان رضی علی" یعنی اگر علی رضامندی ظاہر کریں۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا "رضیت" اب نکاح تام ہوا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید بعض لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ بارات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوشہ کے ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے۔ (عضل الجاہلیہ صفحہ ۳۶۶، اصلاح الرسوم صفحہ ۶۲)

بارات کے چند مفاسد: بارات نااتفاقی اور ذلت کا سبب ہے۔ اس بارات کے لئے کبھی دولہا والے کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار و تکرار کرتے ہیں اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے۔ اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو، سو اول تو بن بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بن بلائے جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکلا لٹیرا ہو کر۔ یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کرنا۔ پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔ پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضد اضدی اور بے لطفی (و کدورت بلکہ بس اوقات رنجش) ہوتی ہے کہ عمر بھر قلوب میں اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ چونکہ نااتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہونگے، اس لئے یہ فضول رسم ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۶۳) اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت و الفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود ہے اکثر رنج و تکرار اور شکایت (کی نوبت آجاتی ہے)

پرانے کینوں کو تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا اور اس طرح کی دوسری خرابیاں دیکھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ ایسا لینا دینا' کھانا کھلانا عرفاً لازم ہو گیا ہے اس لیے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گاری اتارتا ہے نہ لینے والے کو کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف (ومحبت) کہاں۔ اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۸۸) یہ خرابیاں ہیں بارات میں جن کی وجہ سے بارات کو منع کیا جاتا ہے اور میں جو پہلے باراتوں میں جایا کرتا تھا اس وقت تک میری سمجھ میں یہ خرابیاں نہ آئی تھیں۔ اب میں ان رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں اور اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اصلاح الرسوم (دوسرے باب کی چھٹویں فصل اور امداد الفتاویٰ جلد پنجم صفحہ ۲۷۹) دیکھ لو اس میں میں نے تفصیلی دلائل لکھ دیئے ہیں' خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کرا دیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں کیں۔ اسی لئے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے۔ (عضل الجاہلیہ' حقوق الزوجین' صفحہ ۳۶۸)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسوم (بارات) وغیرہ موقوف ہو جائیں تو پھر میل ملاپ کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میل ملاپ کی مصلحت سے معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ میل ملاپ اس پر موقوف بھی نہیں' بلا رسوم کی پابندی (اور بارات) کے اگر ایک دوسرے کے گھر جائیں یا اس کو بلائیں' اس کو کھلائیں پلائیں' کچھ امداد و سلوک کریں جیسے یار دوستوں میں راہ و رسم جاری ہیں تو یہ ممکن ہے۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۸۷)

میرے نزدیک جو مجموعی ہیئت اس وقت تقریبات کی ہو رہی ہے اس کے ہر جزء کی قریب قریب اصلاح ضروری ہے' تمام رسوم میں بجز اتلاف مال (مال کے برباد کرنے) وارتکاب معاصی کے مثلاً ریا' تفاخر' اسراف اور دوسروں کے لئے موجب تکلیف ہو جانا' اور مقتدائے معاصی بن جانا (ان رسموں میں) کوئی دنیا کا بھی معتدبہ (لائق اعتبار) نفع نہیں۔ اس لئے میرے نزدیک ان کی قباحت بڑھی ہوئی ہے میرے خیالات کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ ہیئت متعارفہ (مروجہ طریقہ) کے اجزاء بدلنے کی ضرورت ہے گو اکثر اجزاء اگر فرداً فرداً دیکھے جائیں تو مباح نکلیں گے۔ مگر یہ قاعدہ شرعی بھی ہے اور عقلی بھی کہ جو مباح معصیت کا ذریعہ اور معین جرم بن جائے وہ بھی معصیت اور جرم ہو جاتا ہے۔ ان تقریبات کی بدولت کیا مسلمان مقروض نہیں بن جاتے۔ کیا مہاجنوں کو سود نہیں دیتے۔ کیا ان کی جائداد اور مکان نیلام نہیں ہو جاتے۔ کیا اہل تقریب کے ذہن میں اظہار و تفاخر و نمائش نہیں ہوتا اگر عام مجمع میں اظہار نہ ہو تو کیا خاص مجمع کے خیال سے (کہ گھر پہنچ کر زیور و اسباب دیکھا جائے گا اس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا) سامان نہیں کیا جاتا پھر ان رسوم میں تسلسل و ترتب کچھ اس قسم کا ہے کہ ایک کو کر کے سب ہی کو آہستہ آہستہ کرنا پڑتا ہے۔ کیا ان قیود و پابندیوں کو قیود شرعیہ سے عملاً زیادہ ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ نماز با جماعت فوت ہونے سے کیا کبھی ایسی شرمندگی ہوئی ہے جیسی جہیز میں چوکی پلنگ کے نہ دینے سے ہوتی ہے۔ گو اس کی ضرورت نہ ہو جہیز میں ضروری سامان کا لحاظ (کرنے میں) شرعاً و عقلاً مضائقہ نہ تھا مگر بہت یقینی امر ہے کہ ضروریات کی فہرست ہر جگہ جدا بنے گی' لیکن جہیز کی ایک ہی فہرست ہر جگہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج کی پابندی اس کی علت ہے ضرورت پر اس کی

بنیاد نہیں تو اس درجہ کی پابندی نہ عقلاً جائز نہ شرعاً درست۔ پس جب ان میں اس قدر مفاسد ہیں تو عقل یا نقل (شریعت) کب اس کی اجازت دے سکتی ہے۔ (امداد الفتاویٰ صفحہ ۲۷۹ جلد ۵)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو وہ کرے، جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہو گیا پھر گنجائش سے اجازت کب طلب ہو سکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں گے تو ان کی برادری کے غریب آدمی بھی اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ضرور کریں گے۔ اس لئے ضروری امر اور مقتضاء یہی ہے کہ سب ہی ترک کر دیں۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۸۷) اگر یہ کہا جائے کہ کسی کو اگر گنجائش ہو تو دنیوی مذکورہ مضرتوں سے بھی محفوظ ہے اور نیت کی درستی اختیاری امر ہے، ہم نہ امور کو ضروری سمجھتے ہیں نہ تفاخر اور نمائش کا ہم کو خیال ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے تو یہ سب امور جائز ہو جانے چاہئیں۔ سو اول تو ذرا اس کا تسلیم کرنا مشکل ہے، تجربہ اس کو تسلیم نہ کرنے دے گا' کیسا ہی گنجائش والا ہو کچھ نہ کچھ گرانی اس پر ضرور ہو گی اور نیت میں بھی فساد ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس میں منازعت و مزاحمت نہ کی جائے تو سو میں ایک دو شخص ایسے مشکل سے نکل سکتے ہیں۔ جب یہ حالت ہے تو یہ قاعدہ سننے کے قابل ہے کہ کسی شخص کے مباح فعل سے جو حد ضرورت سے ادھر نہ ہو (یعنی واجب نہ ہو) دوسرے شخص کو ضرر پہنچنے کا غالب گمان یا یقین ہو تو وہ فعل اس کے حق میں مباح نہیں رہتا۔ تو اس قاعدہ سے یہ اعمال و افعال اس محفوظ شخص کے حق میں بھی اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ تقلید کر کے خراب ہوں گے ناجائز ہو جائیں گے۔

اس شرعی قاعدہ کا حاصل وہ ہے جس کو عقلی قانون میں قومی ہمدردی کہتے ہیں۔ یعنی ہمدردی کا مقتضاء یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو دوسروں کو نقصان نہ پہنچائے۔ کیا کوئی باپ جس کے بچہ کو حلوہ نقصان کرتا ہے اس کے سامنے بیٹھ کر حلوہ کھانا محض مزے کے لئے پسند کرے گا۔ کیا اس کو خیال نہ ہو گا کہ میری حرص سے شاید بچہ بھی کھائے اور بیماری بڑھ جائے۔ کیا ہر مسلمان کی ہمدردی اسی طرح ضروری نہیں۔ اس سے عقلاً و نقلاً سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ کسی کے لئے بھی ان رسوم کی اجازت نہیں۔ (امداد الفتاویٰ صفحہ ۲۷۱ جلد ۵) چونکہ ان خرابیوں کی برائی بدیہی ہے اس لیے زیادہ دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ پس مسلمانوں کو فرض و واجب ہے اور ایمان و عقل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان خرابیوں کی برائی جب عقلاً و نقلاً ثابت ہو گئی تو ہمت کر کے سب کو خیر باد کہے اور نام و بدنامی پر نظر نہ کرے۔ بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عزت و نیک نامی ہے۔ (اصلاح الرسوم صفحہ ۸۷)

جو رسوم شریعت کے خلاف اکثر شادیوں میں ہوا کرتی ہیں ان ہی سے وہ مجمع معصیت کا مجمع ہو جاتا ہے، وہاں نہ بیٹھے اور رسوم تو الگ رہیں آج کل خود بارات ہی مجمع معصیت ہے' اگر کوئی خرابی نہ ہو تو یہ خرابی تو ضرور ہی باراتوں میں ہوتی ہے کہ (عموماً) باراتی مقدار دعوت سے زائد جاتے ہیں' جس کی وجہ سے بے چارے میزبان کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں قرض لیتا ہے کہیں اور کچھ فکر کرتا ہے۔ غرض بہت خرابی ہوتی ہے۔ (حقوق و فرائض صفحہ ۴۹۹)

الحاد و دہریت کی نئی لہر
اسباب، چیلنجز اور حل

مفتی محمد ذیشان احمد قاسمی

یقیناً ہم اس پُرفتن دور میں جی رہے ہیں جس میں فتنے رات کے سیاہ اندھیروں کی مانند ہیں، جس کی ظلمت وتاریکی میں سمجھ دار بھی حیران وسرگردان رہ جاتا ہے۔ اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ یہ ایسا دور ہے جس میں آدمی کے ایمان کا کوئی بھروسہ نہیں، صبح کا مؤمن، شام کو کافر اور شام کا مؤمن، صبح کو -العیاذ باللہ- مرتد بن جاتا ہے۔ گو کہ یہ دور بعینہ اس حدیث کا مصداق ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**بادروا بالأعمال فتنا كقطع الليل المظلم، يصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافرا، ويمسي مؤمنا ويصبح كافرًا، يبيع أحدهم دينه بعرض من الدنيا**" (**أخرجه مسلم والترمذی**) "نیک اعمال میں جلدی کرو، اس سے پہلے کہ فتنے آئیں جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں، اس میں آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر، دین کو دنیا کے معمولی مفاد کے عوض بیچ ڈالے گا"۔

نئی لادینیت (New Atheism) کا فتنہ: امت مسلمہ کو موجودہ وقت میں جن فتنوں کا سامنا ہے، ان مہلک وخطرناک فتنوں میں سے ایک نئی لادینیت (نیا الحاد: New Atheism) کا فتنہ ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے مشرق ومغرب میں نئی لادینیت کی لہر اٹھی ہے، جس کے بارے میں ہم بکثرت سن رہے ہیں، جو نہایت تیزی سے معاشرے کے مختلف طبقوں میں، بالخصوص نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں پھیل رہی ہے، بلکہ یہ فتنہ ایک فکری رجحان اور جدید فیشن کی صورت اختیار کر گیا، جسے عصری جامعات اور اداروں کے اکثر طلبہ وطالبات اپنانے لگے ہیں۔

وجود باری تعالیٰ، ایک اٹل حقیقت: حالاں کہ وجود باری تعالیٰ، ایک ایسی اٹل حقیقت ہے، جس کا انکار کوئی ہٹ دھرم اور عقل سے کورا شخص ہی کر سکتا ہے؛ کیوں کہ عقل وخرد رکھنے والا شخص، اگر اپنی عقل سلیم سے غور کرے گا تو یہ جان لے گا کہ یہ عظیم الشان کائنات، اس کا منظم نظام اور اس کی بے مثال عمدہ ترتیب یقیناً ایک قادر مطلق کے خلقِ بے مثال کا نتیجہ ہے، وہ ہی ہے جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے اور جو اس نظام عالم کو اپنی قدرت کاملہ سے چلا رہا ہے، وہی **الحی القیوم** ہے اور یہ عالم، اس کا نظام، اس کا ذرہ ذرہ، چپہ چپہ اسی خدائے وحدہ لاشریک لہ کے وجود کی واضح ترین دلیل ہے، جیسا کہ شاعر ابو العتاہیہ نے کہا:

فيا عجبا كيف يُعصى الإله — أم كيف يجحده الجاحدُ؟
وفي كل شيء له آيةٌ — تدل على أنه الواحدُ

(کتنی تعجب کی بات ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی جائے یا کوئی اس کا انکار کرے، حالاں کہ ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس کے واحد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔)

کائنات کے نظام میں ہر حرکت اور ہر سکون اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا کوئی خالق اور مدبر موجود ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگے تو وہ یقیناً عربی زبان کا معروف شاعر ابوالطیب متنبی کے اس شعر کا مصداق ہے:

وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَفْهامِ شَيْءٌ إذا احتاجَ النهارُ إلى دَلِيلِ

(عقل کا کوئی اعتبار باقی نہیں رہتا، اگر دن کی روشنی کے لیے دلیل کی ضرورت پڑے۔)

لیکن اس سب کے باوجود، کچھ لوگ اس کائنات میں ایسے بستے ہیں جن کی شامت اعمال کے سبب بحکم خداوندی ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے، آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے، کان حق کو سننے سے بہرے ہو چکے ہیں، وہ اللہ پاک کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور اس الحاد ولادینیت کے نہ صرف خود شکار ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ آج وہ اپنے افکار ونظریات کو برق رفتاری سے دنیا بھر میں پھیلانے میں لگے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں اسی "الحاد ولادینیت" کے فتنے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتانے کی سعی کی گئی ہے کہ امت مسلمہ، خصوصاً علمائے کرام کیسے اس فتنہ سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں، اس کا قلع قمع کر سکتے ہیں اور اس کی سرکوبی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم اصل موضوع کا آغاز کریں، الحاد کی تعریف، اقسام اور ان کی اصطلاحات وغیرہ کی معرفت ضروری معلوم ہوتی ہے؛ لہٰذا ذیل میں انھیں ملاحظہ فرمائیں:

الحاد کی تعریف اور اقسام: "الحاد" لغت میں "مقصد سے انحراف" یعنی راستے سے ہٹ جانا کے معنی میں آتا ہے۔ اور اصطلاح میں مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے: کبھی خدا کے وجود کے انکار کے لیے، یعنی دہریت ولادینیت کے معنی میں، کبھی شرک کے مفہوم میں، کبھی دین سے انحراف کے لیے اور کبھی دین میں تحریف کرنے کے لیے۔

الحاد کا رائج معنی ومفہوم: تاہم آج کے دور میں جب ہم الحاد کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد عموماً وہ نظریہ ہوتا ہے جس میں خدا کے وجود کا مکمل انکار کیا جاتا ہے، جسے عام اصطلاح میں "دہریت" کہا جاتا ہے۔

الحاد کی اقسام: (1) مثبت الحاد: (Positive/Strong Atheism) اس میں کوئی شخص خدا کے وجود کا واضح انکار کرتا ہے۔ وہ وحی، نبوت اور کسی دین پر ایمان نہیں رکھتا۔ مثلاً بودھ مت وغیرہ کچھ عقائد رکھتے ہیں، لیکن ان کا خدا کے وجود پر ایمان نہیں ہوتا۔ (2) منفی الحاد یا لاادریت: (Agnosticism / Negative Atheism) اس میں شخص نہ تو خدا کے وجود پر ایمان رکھتا ہے، نہ اس کے عدم پر۔ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس کوئی دلیل نہیں، اس لیے میں نہ انکار کرتا ہوں، نہ تصدیق۔ (3) ربوبیت (Deism): اس نظریے میں خدا کے وجود کو مانا جاتا ہے، لیکن یہ تصور کیا جاتا ہے کہ خدا نے کائنات کو تو بنایا، لیکن اب وہ اس میں مداخلت نہیں کرتا۔ نہ وحی بھیجتا ہے، نہ رسول، نہ معجزات۔

"نیا الحاد" کیا ہے؟ "نیا الحاد" (New Atheism) ایک جدید تحریک ہے، جو خدا کے وجود کا نہ صرف انکار کرتی ہے؛ بلکہ اس کے خلاف دلائل وتشہیر کو اپنا مشن بناتی ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ العجیر ی کے مطابق "نئے الحاد" کی اصطلاح سب سے پہلے 2006ء میں "جیری وولف" نے ایک مغربی جریدے Magazine Wired میں استعمال کی۔ یہ فتنہ صرف نظریاتی فتنہ نہیں، بلکہ ایک فکری اور تہذیبی چیلنج بن کر سامنے آیا ہے، جس کا مقصد افراد اور اسلامی معاشرہ کی شناخت اور ان کی دینی وابستگی کو مٹانا ہے اور ان کو غیر محسوس طور پر مرتد بناتا ہے۔

امت کو درپیش دو بڑے چیلنجز: اس فتنے سے نمٹنے کے لیے امت مسلمہ کو کئی ایک چیلنجز درپیش ہیں، جن میں درج ذیل دو چیلنج بطور خاص قابل ذکر ہیں:

(1) **پوشیدگی اور بدلا ہوا بھیس:** یہ الحاد اپنی اصلی شکل میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ آزادی فکر، عقل پسندی اور روشن خیالی کے نقاب میں نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے، ان میں پھیلتا اور پھولتا ہے؛ چناں چہ جامعات، اسکولز اور سوشل میڈیا کے آزادانہ ماحول کے ذریعے اس کی جڑیں اسی بدلے ہوئے روپ میں مضبوط ہو رہی ہیں۔

احساسِ زیاں جاتا رہا: نوجوان لڑکے لڑکیاں، اسکولوں اور یونی ورسٹیوں کے طلبہ وطالبات کی بڑی تعداد اس سے کافی حد تک متاثر ہو رہی ہے اور یہ الحاد اُن کے درمیان سرایت کرتا جا رہا ہے، اُن کی صفوں میں داخل ہو کر آسانی سے، بغیر کسی رکاوٹ ومزاحمت کے انہیں اپنا شکار بنا رہا ہے، جیسے کوئی نرم نوالہ جو خود بخود حلق سے اتر جائے اور یہ ایمان کا سودا اس طرح ہو رہا ہے کہ انہیں خبر تک نہیں!

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مسلم نوجوان نسل اور دہریت کی یلغار: چناں چہ آج کتنے ہی طلبہ (اسٹوڈنٹس) ایسے ہیں جنہوں نے اپنا دین کھو دیا اور انہیں معلوم تک نہ ہوا! کتنی ہی طالبات ایسی ہیں جنہوں نے اپنا ایمان گنوا دیا اور انہیں احساس تک نہ ہوا! کتنے ہی نوجوان ایسے ہیں جو اپنے عقیدے سے ہاتھ دھو بیٹھے اور انھیں پتا بھی نہ چلا! کتنی ہی لڑکیاں ایسی ہیں جن سے ان کا اسلام چھن گیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی!

نسل نو کفر کے دہانے پر: ایک ماہر تعلیم نے چند ماہ قبل اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں کے طلبہ وطالبات کی اسی حالت زار کو بیان کرتے ہوئے راقم الحروف سے کہا: "آج کے دور کے اکثر طلبہ وطالبات ایمان کے کنارے کھڑے ہیں، جو کہ ایک کم زور اور ٹوٹنے والا کنارہ ہے، جس پر ذرا سی لغزش انہیں گم راہی کی گہرائیوں اور دلدل میں دھکیل سکتی ہے۔"

(2) **جدید الحاد کا تیزی سے پھیلنا:** اس فتنے سے نبرد آزمائی کے لیے ایک اور بڑا چیلنج جو ہمیں درپیش ہے، وہ اس کا آہستہ دبے پاؤں بڑی برق رفتاری سے پھیلنا ہے، چناں چہ اسی حوالے سے سعودی عرب کے معروف عالم اسکالر ڈاکٹر عبد اللہ العجیر ی اپنی کتاب "**میلیشیا الإلحاد مدخل لفهم الإلحاد الجديد**" کے صفحہ 9 پر رقم طراز ہیں:

"كنت مع قناعة بأن موجة هذا الإلحاد الجديد التي كانت تضرب المجتمعات الغربية ستمدد لتقرع أبوابنا، لكن ما كنت أظن أن الأمر سيكون بهذه السرعة". (مجھے یہ تو یقین تھا کہ نئی لادینیت کی یہ لہر، جو مغربی معاشروں کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے، ایک نہ ایک دن ہمارے دروازوں تک بھی ضرور آ پہنچے گی، مگر یہ اندازہ ہرگز نہ تھا کہ اتنی تیزی سے ہم تک پہنچے گی) چناں چہ بعض تحقیقات کے مطابق دنیا کی سات فیصد آبادی ملحد بن چکی ہے اور عالمی سطح پر عرب وعجم میں لادینیت کی یہ لہر بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

اسباب شیوع وذرائع فروغ: اگر ہم بغور اس فتنے کے اسباب فروغ کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ملحدین نے اپنے گم راہ کن افکار پھیلانے اور الحادی افکار ونظریات کی دعوت دینے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس کے لیے انہوں نے دونوں طرح کی دنیا (1) حقیقی دنیا (یعنی زمینی سطح پر) (2) فرضی دنیا (یعنی آن لائن یا انٹرنیٹ) کو اپنی لادینیت ودہریت کی توسیع وتبلیغ کا میدان بنایا۔

حقیقی دنیا میں الحاد کی تبلیغ وترویج کی صورتیں: حقیقی دنیا میں الحاد کی دعوت دینے کی چند صورتیں وہ ہیں جنہیں ڈاکٹر عبداللہ العجیری نے اپنی معروف کتاب "میلیشیا الإلحاد" میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کیے جارہے ہیں: (1) دہریت کی فکر پر مبنی فلمیں اور گانے۔ (2) سڑکوں پر لادینیت کے جگہ جگہ اشتہارات۔ (3) پبلک ٹرانسپورٹ پر الحادی سلوگنز۔ (4) لباس پر الحاد کے دعوتی وتبلیغی پیغامات۔ (5) گاڑیوں پر ایتھیزیم کے اسٹیکرز۔ (6) الحادی افکار ولادینیت کے مواد پر مشتمل کتب کی اشاعت۔ (7) باقاعدہ الحادی اداروں کا قیام اور ان کا استحکام۔ یہ چند وہ ذرائع ہیں جو ملحدین عالمِ حقیقی میں الحاد کی ترویج واشاعت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا میں الحادی افکار کے تشہیری ذرائع: یوٹیوب چینلز، سوشل میڈیا پیجز، بچوں کے کارٹون اور ویب سائٹس وغیرہ یہ سب وہ مؤثر انٹرنیٹ ذرائع ہیں جن کو ملحدین لادینی افکار کی تشہیر کے لیے خوب منظم اور منصوبہ بند طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔

اس فتنے کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟: اس فتنے کی خطرناکی، نیز اس کے تیزی سے پھیلاؤ کے پیش نظر ہر صاحب ایمان اپنے اور امت مسلمہ کے ایمان وعقیدے کے تئیں انتہائی فکرمند ہوگا کہ ہم اس فتنے کا کیسے مقابلہ کریں؟ اور کیسے اس کا سدباب کریں؟ سدباب اس طرح ممکن ہے: یہ فتنہ چوں کہ مختلف اسباب وذرائع سے امت میں اپنی جڑیں پھیلا رہا ہے اور اسے مضبوط کر رہا ہے، اس لیے رجوع الی اللہ اور دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اسباب کے درجہ میں اس کا دفاع بھی مختلف جہات اور متعدد طریقوں سے ہونا چاہیے، چناں چہ اس حوالے سے درج ذیل گیارہ طریقے واقدامات، جو ان شاء اللہ مفید وموثر ہو سکتے ہیں، نذر قارئین ہیں:

ردالحاد کے گیارہ طریقے اور حل:

(1) قرآن وسنت سے گہرا تعلق: ہمارا ایمان ہے کہ ہر فتنے سے نجات کی واحد راہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی

اللہ علیہ وسلم ہے؛ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان دونوں سے اپنا تعلق انتہائی گہرا ومضبوط رکھے اور ان کو سمجھنے، پھر ان پر عمل کرنے کی مکمل کوشش کرے۔

(2) عوامی شعور کی بیداری: دوسرا اقدام اس فتنے کے روک تھام کے لیے یہ کیا جائے کہ جمعہ کے خطبوں، دروس تفسیر وحدیث اور لیکچرز ومحاضرات وغیرہ کے ذریعے، ایمان وعقائد کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے، نیز اس فتنے کی سنگینی اور اس کے خطرناک نتائج کو واضح کیا جائے۔

(3) نوجوانوں کی اسلامی تربیت: چوں کہ بالعموم اس فتنہ کا شکار نوجوان بن رہے ہیں، اس لیے خصوصاً ان کے مابین اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں دینی تعلیم، عقائد صحیحہ کی توضیح، بالخصوص عقیدہ توحید کی اہمیت کو ان کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے، نیز باضابطہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان افروز واقعات سے ان کی اسلامی تربیت اور دینی ذہن سازی کی جائے۔

(4) نونہالانِ امت کے قلوب میں اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت وعقیدت کی ترسیخ: بچوں کے دلوں میں کم عمری ہی سے اللہ ورسول کی بے پناہ سچی محبت جاگزیں کی جائے اور عقیدہ توحید ورسالت کو ان کے قلب ودماغ میں پیوست کر دیا جائے؛ کیوں کہ اس کا اثر دیرپا ہوتا ہے، عربی محاورہ معروف ہے "**الحفظ فی الصغر کالنقش علی الحجر**" (بچپن کا یاد کردہ، پتھر کی لکیر کی طرح ہوتا ہے)۔

(5) فہم شریعت میں علمائے سلف پر اعتماد کی بحالی: چوں کہ اس فتنے کی اشاعت کے لیے ملحدین نے اسلاف امت کو مجروح کرنے کی مستقل منصوبہ بند کوششیں اور سازشیں کیں، ان پر سے عوام کے اعتماد کو متزلزل کرنے کی سعی کی ہے، جس کے بعد براہ راست قرآن وسنت پر اعتراضات کی راہ انہوں نے ہموار کی؛ اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ قرآن وسنت کی تفہیم وتشریح کے باب میں اکابر امت کے فہم کو معتمد ومدار صحت قرار دیا جائے اور اس راہِ اعتراض کا سدباب کیا جائے۔

(6) متخصص علماء کا تیار کرنا: عربی زبان کا مقولہ ہے "**لکل فن رجال**" یعنی ہر کام کے لیے خاص لوگ (ماہرین) ہوتے ہیں، جو اس کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، چوں کہ یہ بھی ایک اہم ترین کام ہے تو اس کے لیے علمائے امت اور مقتدایانِ ملت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایسے علماء تیار کریں جو ملحدین کی ریشہ دوانیوں سے اچھی واقفیت رکھتے ہوں اور ان کے شبہات واعتراضات کا مدلل تشفی بخش جواب دے سکتے ہوں۔

(7) الحادی شبہات کے رد کے لیے مختص علمی مراکز کا قیام: اس فتنے کی تردید کے لیے شہروں اور دیہاتوں کے مختلف مقامات پر ایسے علمی مراکز کا قیام بھی ناگزیر ہے جہاں سائنسی، عقلی اور دینی بنیادوں پر الحادی افکار ونظریات کا تشفی بخش عقلی ونقلی مدلل جواب دیا جائے اور وہاں اس کا تحریری لٹریچر علاقائی اور انگریزی زبان میں دستیاب ہو۔

(8) عقائد کی آف لائن اور آن لائن تفہیم وتشریح: اکثر عوام بڑے چھوٹے مرد وزن عقائد صحیحہ (عقائد اہل سنت والجماعت) سے بالعموم ناواقف ونابلد ہوتے ہیں، تو آسان وعام فہم علاقائی زبان میں ان کی آن لائن اور آف لائن تفہیم

وتشریح کی کلاس یا پروگرام محلہ محلہ اہتمام سے منعقد کیے جائیں اور اس میں اہل محلہ کی شرکت کو یقینی بنانے کی پوری فکر اور کوشش کی جائے۔

(9) سوشل میڈیا پر عقائد صحیحہ کی نشر واشاعت کا اہتمام وانتظام:

عصر حاضر میں کسی بھی نظریہ کی تبلیغ یا کسی مادی یا معنوی چیز کی تشہیر میں جو سوشل میڈیا کا کردار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، ایسے میں ان سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو عقائد صحیحہ کی نشر واشاعت کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر استعمال کرنا وقت کی اہم اور ناگزیر ضرورت ہے؛ لہٰذا اس موضوع پر مشتمل تحریری وتقریری مواد انگریزی، اردو اور عربی زبان میں سوشل میڈیا پر نشر کیا جائے اور اسے عام کیا جائے۔

(10) ملحدین سے حقیقی وفرضی دنیا میں دوری واجتناب: اس الحادی فتنہ کی سرکوبی اور اس کے سد باب کے لیے لازم ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو، بالخصوص ہماری نوجوان نسل کو، ملحدین کی آف لائن اور آن لائن مصاحبت، ان کے ملحدانہ خرافات کو سننے اور لادینی افکار ونظریات کو پڑھنے سے سو فیصد روکیں؛ کیوں کہ راقم حروف کو معتبر ذرائع سے کئی ایک ایسے مسلم نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ملحد بننے کے واقعات کا علم ہوا، جس کا راست سبب ملحدین کی صحبت اور ان سے نزدیکی بنی ہے اور یہ کیوں کر ممکن ہے کہ صحبت اپنا اثر نہ دکھائے؟! جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: "لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ" رواہ أبو داود والترمذی۔ (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کے سوا کسی کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور تمہارا کھانا صرف پرہیزگار (متقی) ہی کھائے۔) حدیث کا پہلا جملہ یہاں محل شاہد ہے، جس کا مطلب واضح ہے کہ دوستی اور قریبی تعلق صرف اہل ایمان سے رکھو کہ کیوں کہ اغیار کی صحبت کے سبب ایمانی وروحانی کیفیت عموماً متاثر ہوتی ہے۔ چناں چہ ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت صاف صاف الفاظ میں فرمایا: **"الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ" رواہ أبو داود۔** (آدمی اپنے دوست کے دین (طور طریقے) پر ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔) اور اس باب میں مولانا روم کا فارسی شعر بھی بہت مشہور ہے:

صحبت صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

(یعنی نیک کی صحبت تجھے نیک اور بد کی صحبت بد بنائے گی۔)

(11) ایمان کی سلامتی اور استقامت کے لیے قرآنی اور مسنون دعاؤں کا اہتمام: آخری اور اہم ترین ذریعہ اور حل دعا ہے، کیوں کہ مومن کے لیے کسی بھی مصیبت وآزمائش کے وقت خاص طور پر اور عموماً ہر وقت، سب سے بڑا ہتھیار اللہ پاک سے دعا ہے، بالخصوص قرآنی اور مسنون دعائیں کہ ان کی تاثیر مسلم ویقینی ہے؛ لہٰذا ہم کو چاہیے کہ مذکورہ اسباب

اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنے اور اپنے متعلقین کے؛ بلکہ ساری امت مسلمہ کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے لیے قرآنی اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں۔

حفاظت ایمان کے لیے چند قرآنی اور مسنون دعائیں:

(1) ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾.

ترجمہ: اے ہمارے رب! جب تو ہم کو ہدایت کر چکا تو ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے ہاں سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(2) ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾.

ترجمہ: (اے اللہ!) مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے نیک بختوں میں شامل کر دے۔

مسنون دعائیں:

(1) اللَّهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُونِينَ.

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے اور مسلمان ہونے کی ہی حالت میں زندہ رکھ اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے، اس حال میں کہ نہ ہم رسوا ہوں اور نہ آزمائش میں پڑیں"۔

(2) يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ.

ترجمہ: "اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔"

(3) اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا لَا يَرْتَدُّ، وَنَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم فِي أَعْلَى جَنَّةِ الْخُلْدِ.

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو، ایسی نعمت مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں ہمیشہ کی بلند ترین جنت میں"۔

نیز ہم سب کو چاہیے کہ زبان وقلب اور قول وعمل سے نعمت ایمان پر اللہ کا شکر بجالاتے رہیں؛ کیوں کہ "**بالشکر تدوم النعم**" نعمت شکر سے باقی رہتی ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اعلان باری تعالی ہے ﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر نعمتوں میں ضرور اضافہ کروں گا)۔ حاصل یہ کہ فتنہ الحاد کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، مگر ناممکن بھی نہیں۔ اگر رجوع الی اللہ، اخلاص، علم صحیح اور منصوبہ بندی کے ساتھ کوشش کی جائے، تو اللہ کی مدد سے ہم اس فتنہ کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور اس پر قدغن لگا سکتے ہیں۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز.**

انسان کی بے بسی

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی

اگر آپ کی گھڑی چلتے چلتے بند ہوجائے، یا وقت غلط دینے لگے، تو کوئی صورت بجز گھڑی ساز کی مدد کے، اُس کی اصلاح کی ہے؟ سائیکل اگر تھوڑی بہت کبھی ٹوٹ ٹاٹ جائے، تو جب تک سائیکل ساز ہی مرمت نہ کرے، آپ مجبور محض رہیں گے یا نہیں؟ موٹر کار کا کوئی پُرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، نکل جائے، گھِس جائے، تو جب تک موٹر ساز ہی کا ہاتھ نہ لگے، آپ کی ساری عقل وذہانت بیکار رہے گی یا نہیں؟..... یہ سب معمولی مشینیں ہیں، انسان ہی کی ایجاد کی ہوئی، آپ ہی کے بھائی بندوں کی بنائی ہوئی، لیکن ان کی ترتیب میں، ترکیب میں، بناوٹ میں، صناعت میں، ذرا سا بھی فرق پڑ جاتا ہے، تو انسان کا علم وفضل، عقل کی رسائی اور فکر کی فلک پیمائی سب دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، تاوقتیکہ کسی ماہر فن کی، ماہر خصوصی کی خدمات اعانت نہ حاصل کرلی جائیں۔ بشر کی یہ محتاجی اور بے بسی، بشری صنعتوں اور صناعتوں ہی سے متعلق روزمرہ کا تجربہ ہے، اور ہر وقت کا مشاہدہ۔ پھر جسم انسانی تو خالق کائنات کی کاریگری کا نمونہ ہے، اور حُسن صنعت کا وہ معجزہ کہ جہاں تک انسانی ادراک اور بشری عقل پہونچ بھی نہ پائے۔ اس صناع اعظم کی کاریگری میں ادنیٰ سی ادنی دخل دینے کی ہمت وجرأت کسی مخلوق میں، یا ساری مخلوق میں مل کر بھی ہوسکتی ہے؟ جسم انسانی میں قدرتی نظام کا قائم کیا ہوا ایک ریشہ بھی اگر جگہ سے بے جگہ ہوجائے، تو کس کی مجال ہے کہ اس میں ہاتھ لگا سکے؟ خاک کے بنے ہوئے پُتلے الگ رہے، نور کے بنے ہوئے فرشتے تک اُس کی بارگاہ میں کس نیاز وشکستگی کے ساتھ اپنے جہل اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں: **سبحانک لا علم لنا الا ما علّمتنا انک أنت العزیز الحکیم۔**

ہر قسم کے عیب اور نقصان سے پاک اور بالاتر تو آپ ہی کی ذات ہے، اے ہمارے مالک ومولا! ہمیں علم ہی کیا، ہمیں علم سے واسطہ ہی کیا۔ ہاں آپ ہی نے اپنے فضل وکرم سے تھوڑا بہت علم جو ہمیں عطا کردیا ہے، تو اس کی بات ہی اور ہے۔ اختیار والے اور حکمت والے تو صرف آپ ہی ہیں، کہ جس کے لئے جتنا علم قرین مصلحت ہوتا ہے، اُس سے اُسے محروم نہیں رکھتے! یہ محض اُسی کا لطف بے پایاں اور کرم بے حساب ہے کہ اُس نے انسان کو بھی کچھ قدرے قلیل دخل دواسازی اور جرّاحی میں دے دیا، اور اس سے انسان اِس قابل ہوگیا، کہ اُس کی مشیّت اور قانون تکوینی کے ماتحت کچھ علاج معالجہ انسانوں کا کرلینے لگا، ورنہ اس کی کیا بساط تھی، کہ خدائی مشین کے کسی چھوٹے سے چھوٹے پُرزے سے متعلق ہی طبع آزمائی کرسکے! مریض اسپتال میں داخل ہوتا ہے۔ خلق کا عضلہ پانی کے داخلہ کو بند کرچکا ہے۔ پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ ایک گھونٹ پانی کا نہیں اُترپاتا ہے۔ تیمارداروں کو لَو ڈاکٹر سے لگی ہوئی۔ (بقیہ صفحہ: ۳۴ پر)

رمضان المبارک کے بعد کی زندگی

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

رمضان المبارک ایک ایسے مہمان کی طرح آتا ہے، جو دلوں کے زنگ دور کر کے نور سے بھر دیتا ہے، گناہوں سے دھو کر پاک کر دیتا ہے اور انسان کو ایک نئی پاکیزہ زندگی عطا کر دیتا ہے۔ یہ مہینہ صرف ایک روزے کا مہینہ نہیں ہے بلکہ تربیت کا ایک مکمل نظام ہے، جو انسان کو بندگی، تقویٰ، صبر، ایثار اور اخلاص کا پیکر بنا دیتا ہے۔

رمضان المبارک ہر سال اپنی تمام تر برکتوں، رحمتوں، سعادتوں اور روحانی جلوؤں کے ساتھ آتا ہے اور جب ایک ماہ کے بعد رخصت ہوتا ہے تو ایک مومن اپنے دل میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے، خوشی بھی ہوتی ہے کہ اس نے ایک عظیم زمانہ پایا، اور غم بھی ہوتا ہے کہ وہ مبارک ایام اب رخصت ہو گئے۔ یہ کیفیت دراصل ایمان کی علامت ہے، کیونکہ جس دل میں رمضان کی قدر ہوگی، وہی دل اس کے جانے پر افسردہ ہوگا۔ لیکن اس افسردگی کا صحیح تقاضہ یہ ہے کہ رمضان کے بعد کی زندگی کو بھی اسی رنگ میں رنگ لیا جائے، جس رنگ میں رمضان المبارک نے ہمیں رنگا تھا، ارشاد ربانی ہے:

"صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ". [البقرۃ:138] (اللہ کا رنگ [اختیار کرو]، اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہوسکتا ہے، اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔) "صِبْغَةَ اللّٰهِ" سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین اور فطری رنگ ہے جو انسان کی زندگی کو ایمان، توحید اور نیک اعمال سے آراستہ کرتا ہے، اور اس کی زندگی پر اللہ کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ قرآن نے بتایا کہ اصل اور بہترین رنگ اللہ کا دیا ہوا رنگ ہے، یعنی دینِ اسلام۔ جب انسان ایمان، عبادت، خشیت اور اطاعتِ الٰہی اختیار کرتا ہے تو اس کی پوری زندگی اللہ کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔

یہ مقدس مہینہ ایک تربیتی کیمپ ہے، ایک ایسا منظم نظامِ اصلاح ہے جس میں انسان کو بندگی کا شعور، نفس پر قابو پانے کی صلاحیت، اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی لذت عطا کی جاتی ہے۔ اس مہینے میں انسان اپنے اوقات کو منظم کرتا ہے، اپنی خواہشات کو محدود کرتا ہے، اور اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے حاضری کا پابند بناتا ہے۔ لیکن اگر یہ تمام اثرات رمضان کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم نے رمضان المبارک کی کما حقہ قدر نہیں کی، اس سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کیا، اور اپنے دل میں چور رکھ کر رمضان المبارک کی عبادتوں کو بوجھ سمجھ کر اتار دیا۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ عبادت کو کسی خاص وقت کے ساتھ محدود نہ کیا جائے بلکہ پوری زندگی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" [الحجر:99] (اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین [یعنی موت] آجائے۔) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے دراصل پوری امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ عبادت اور بندگی کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہنا چاہئے۔ انسان کو آخری سانس تک اللہ کی عبادت اور اطاعت میں

لگے رہنا چاہئے۔ رمضان اسی تسلسل کی مشق کا ذریعہ ہے، تاکہ ہم سال کے باقی ایام میں بھی اسی نہج پر قائم رہیں۔ مگر یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ بہت سے لوگ رمضان میں تو نمازی بن جاتے ہیں، قرآن کے قاری بن جاتے ہیں، آنسو بہانے والے بن جاتے ہیں، لیکن عید کے بعد ان کی زندگی میں وہی روش، وہی بے عملی اور وہی پہلے والی غفلت واپس آجاتی ہے۔ یہ طرزِ عمل دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ ہم نے رمضان میں اپنے ظاہر کو تو بدل لیا، لیکن ہمارے باطن میں پائیدار تبدیلی نہ آسکی۔ حالانکہ رمضان کا اصل مقصد ہی باطن کی اصلاح ہے، دلوں کی صفائی ہے، اور زندگی کے رخ کو اللہ کی طرف موڑ دینا ہے۔

رمضان کے روزے انسان کو تقویٰ کی دولت عطا کرنے کے لئے فرض کئے گئے۔ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" میں یہی راز پوشیدہ ہے کہ روزہ انسان کے اندر ایک ایسا باطنی احساس پیدا کرتا ہے جو اسے ہر جگہ اور حال میں اللہ سے ڈرنے والا بنا دیتا ہے۔ اگر یہ تقویٰ رمضان کے بعد بھی باقی رہے، تو یہی ہماری اصل کامیابی ہے، اور اگر یہ کیفیت ختم ہوجائے تو ہمیں اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے۔ رمضان میں ہم نے سحر و افطار کے اوقات کی پابندی کی، راتوں کو تراویح میں قیام کیا، تہجد کی پابندی کی، قرآن کی تلاوت کی، صدقات و خیرات کا اہتمام کیا، اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار اور آئندہ کی پوری زندگی اس کی فرماں برداری کے ساتھ گزارنے کے عہد کی تجدید کی۔ یہ سب اعمال اس بات کی تربیت ہیں کہ انسان اپنی زندگی کو نظم و ضبط کا پابند بنائے۔ رمضان کے بعد کی زندگی میں بھی ہمیں اسی نظم و ضبط کو برقرار رکھنا چاہئے۔ جو شخص اس ماہ مبارک کے بعد بھی اپنے اوقات کی حفاظت کرتا ہے، اپنی نمازوں کی پابندی کرتا ہے، اور اپنے دل کو اللہ کے ذکر سے آباد رکھتا ہے، وہی دراصل رمضان کا سچا ثمر پانے والا ہے۔ استقامت وہ صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو دائمی ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا عَبْدَ اللهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ، كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ. (بخاري: 1152۔ مسلم: 1159) (نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ بنو، وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا۔) عبادت شروع کر کے چھوڑ دینا پسندیدہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو مسلسل عمل مطلوب ہے۔ لہذا اب ہم رمضان کے بعد بھی اپنے اعمال کو جاری رکھیں، جہاں بھی رہیں نماز باجماعت کی پابندی رکھیں، اگر ہم روزانہ تھوڑی سی تلاوت، چند رکعت نوافل، اور کچھ وقت ذکر و دعا کے لئے مخصوص کرلیں، تو یہ ہمارے ایمان کو تازہ رکھنے میں معاون ہوگا۔ رمضان کے بعد کی زندگی کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے حقیقی توبہ کرے اور ان سے ہمیشہ کے لئے بچنے کا عزم مصمم کرے۔ اس ماہ مبارک میں ہم نے جن گناہوں کو چھوڑا ہے، اگر ہم دوبارہ انہی میں مبتلا ہوجائیں تو یہ ہماری بدقسمتی اور بہت بڑی محرومی ہے۔ سچا تائب وہ ہے جو گناہ سے نفرت کرے اور اس کی طرف لوٹنے سے بچے۔

اسی طرح یہ مہینہ ہمیں اخوت و ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ ہم نے اس مہینے میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو محسوس کیا، اور ضرورت مندوں کی مدد کی۔ رمضان کے بعد بھی ہمیں اس جذبے کو زندہ رکھنا چاہئے۔ ایک مومن کی پہچان یہی ہے کہ

وہ دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتا ہے، اور ان کی مدد کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ قرآن مجید سے تعلق رمضان کا سب سے قیمتی تحفہ ہے۔ اس مہینے میں ہم نے قرآن کو پڑھا، تراویح میں سنا، اور سمجھنے کی کوشش کی۔ رمضان کے بعد ہمیں اس تعلق کو مزید مضبوط کرنا چاہئے، تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کے معنی ومفاہیم پر غور وفکر کرنا چاہئے، کسی عالم ربانی کے درس میں شریک ہونا چاہئے یا کم از کم ایک رکوع کسی عالم ربانی کے درس کی ریکارڈنگ سننے کا موقع نکالنا چاہئے، کیوں کہ قرآن صرف رمضان کی کتاب نہیں بلکہ پوری زندگی کا دستور ہے۔ جو شخص قرآن کو اپنی زندگی کا رہنما بنالیتا ہے، وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔

یہ مہینہ ہمیں صبر اور برداشت کا سبق بھی دیتا ہے۔ روزے کی حالت میں ہم نے اپنی خواہشات کو روکا، اپنی زبان کو قابو میں رکھا، اور اپنے نفس کو قابو کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ تمام صفات ہمیں رمضان کے بعد بھی اپنانی چاہئیں۔ اگر ہم اپنی زبان، اپنے رویے، اور اپنے معاملات کو درست کرلیں، تو ہماری زندگی خود بھی سنور جائے گی، اور دوسروں کے لئے نمونہ بنے گی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شیطان رمضان کے بعد دوبارہ متحرک ہوجاتا ہے اور انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے، کہ ہمیں اپنے ایمان کی حفاظت کرنی ہے، اپنے اعمال کی نگرانی کرنی ہے، اور ہر اس چیز سے بچنا ہے جو ہمیں اللہ سے دور کرسکتی ہے، کیوں کہ جس گھر میں مال آتا ہے، وہاں چور اور ڈاکو کے خطرات بڑھ جاتے ہیں، اس مقدس مہینہ میں ہمارے نامۂ اعمال میں ثواب کا ذخیرہ ہوگیا ہے تو شیطان اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر لوٹنے کی کوشش کرے گا، لیکن ہمیں بہرصورت اپنی کمائی (نیک اعمال) کی حفاظت کرنی ہے۔

رمضان کے بعد کی زندگی دراصل ایک امتحان ہے کہ ہم نے اس مہینے سے کیا سیکھا۔ اگر ہم نے صبر سیکھا، تقویٰ حاصل کیا، اور اللہ سے تعلق مضبوط کیا، تو ہمیں اسے برقرار رکھنا چاہئے۔ اور اگر ہم اس میں ناکام رہے، تو ہمیں اپنے رویے کے اصلاح کی کوشش کرنی ضروری ہے۔ ایک مومن کی زندگی میں کبھی جمود نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے ہمیشہ آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ رمضان ہمیں اسی ترقی کا راستہ دکھاتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ کریں، اپنی کمزوریوں کو پہچانیں، اور انہیں دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کامیابی کا دارومدار انجام پر ہوتا ہے۔ اگر ہم رمضان کے بعد بھی نیکیوں پر قائم رہیں، تو یہی ہماری کامیابی ہے۔ لیکن اگر ہم دوبارہ گناہوں کی طرف لوٹ جائیں، تو یہ ہمارے لئے بہت بڑے خسارے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ رمضان کوئی اختتام نہیں بلکہ ایک آغاز ہے، ایک نئی زندگی کا آغاز، ایک نئے عہدِ وفا کا آغاز، ایک ایسے سفر کا آغاز جس کی منزل رضائے الٰہی ہے۔ اگر رمضان کے بعد بھی ہمارے دل نرم رہیں، آنکھیں خشیت سے معمور رہیں، زبان ذکرِ الٰہی سے تر رہے، اور اعمال میں اخلاص باقی رہے تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے رمضان کو پایا بھی، اس کی قدر بھی کی اور اپنے آپ کو سنوارا بھی ہے۔ درحقیقت کامیاب وہ نہیں جس نے رمضان گزار لیا، بلکہ کامیاب وہ ہے جسے رمضان نے بدل دیا۔ جس کے اندر گناہوں سے نفرت پیدا ہوگئی، جس کے دل میں عبادت کی لذت جاگزیں ہوگئی، جس کے

معمولات میں اللہ کی یاد شامل ہوگئی، اور جس کی زندگی کا رخ دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف مڑ گیا۔ وہی اس عظیم مہینے کا حقیقی ثمر پانے والا ہے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے بعد مزید نیکیوں کی توفیق نصیب ہو۔ اگر رمضان کے بعد ہماری نمازوں میں پابندی، قرآن سے تعلق، ذکر و دعا کا اہتمام، اور گناہوں سے اجتناب بڑھ جائے تو یہ اس بات کی خوشخبری ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارا رمضان قبول ہوگیا۔ لیکن اگر ہم دوبارہ غفلت میں چلے جائیں تو ہمیں اپنے حال پر ترس آنا چاہئے اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور فوراً رجوع الی اللہ کرنا چاہئے۔

آیئے ہم اپنے دلوں میں یہ عہد تازہ کریں کہ رمضان کے بعد بھی ہم اپنے رب کو نہیں بھولیں گے، اپنی عبادتوں کو نہیں چھوڑیں گے، اور اپنی زندگی کو اسی نہج پر قائم رکھیں گے جس کی تربیت ہمیں اس مبارک مہینے میں ملی ہے۔ ہم اپنی نمازوں کی حفاظت کریں گے، قرآن کو اپنا ساتھی بنائیں گے، ذکر و دعا کو اپنا معمول بنائیں گے، اور اپنے اخلاق و معاملات کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے لئے ہم اپنی زندگی کا ایک واضح لائحۂ عمل بنائیں، روزانہ کی تلاوت، ہفتہ وار صدقہ، نفلی روزوں کا اہتمام، اور روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ جاری رکھیں، یہ وہ ذرائع ہیں جو ہمیں استقامت عطا کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہمیں صالحین کی صحبت اختیار کرنی چاہئے، نیک ماحول میں رہنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور ہر اس چیز سے بچنا چاہئے جو ہمارے ایمان کو کمزور کرتی ہے۔

اے اللہ! ہم تیرے در کے سوالی ہیں، تو ہی ہمارے دلوں کو ثابت قدم رکھ، ہمیں رمضان کی حقیقی روح نصیب فرما، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جن سے تو راضی ہے۔ اے ربِ کریم! ہمارے صیام و قیام کو قبول فرما، ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما، اور ہمیں ایسی زندگی عطا فرما جو تیری رضا کے مطابق ہو، اور ایسی موت نصیب فرما جو ایمان پر ہو۔

****

(صفحہ: ۳۰ کا بقیہ)

جاہل اور غافل انسان! اپنی عقل و تدبیر پر نازاں اور اپنے فنی تجربہ پر مغرور ڈاکٹر فوراً تدبیر شروع کر دیتے ہیں۔ نلکی کے ذریعہ سے پانی اتارنا چاہتے ہیں۔ ناک کا سوراخ، یہ سوراخ وہ سوراخ، خدا جانے کتنی کوششیں کر ڈالنے اور بالآخر تھک چکتے ہیں! جب مشیت پانی کی راہ بند کر دے، تو کوئی بھی دروازہ اس کے لئے کھولا جا سکتا ہے؟ مریض وہیں طبیب کے سامنے جاں بحق ہو جاتا ہے، الزام طبیب کے سر آتا ہے۔ نادان انسان! گویا زندگی اور صحت، طبیب کے نسخوں اور سرجری کے آلات کی محکوم ہے!............شکایت اس کی کیوں کیجئے، کہ اتنے مریض جانبر نہ ہوئے۔ شکر اس کا کیجئے کہ آخر اتنے مریض تو شفایاب ہو گئے! یہ محض اُسی کی کریمی اور اُسی کی ستاری ہے، جو فلاں سرجن جنرل اور فلاں حاذق الملک بنے نظر آرہے ہیں، ورنہ انسان بیچارہ کی یہ مجال بھی تھی، کہ خدائی مشین کے کسی چھوٹے سے چھوٹے، حقیر سے حقیر، خلل میں بھی دخل دے سکے!

دعوت الی اللہ کا ایک مؤثر ترین ذریعہ

عمر فاروق ندوی فتحپوری

ہر وہ شخص جو اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے، اسلام کو دین کے طور پر قبول کرتا ہے، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی اور رسول مانتا ہے، قران کریم کو کتاب شریعت تسلیم کرتا ہے، ہر ایسے شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی علمی اور عقلی سطح اور کارخانۂ قدرت سے ودیعت اپنی صلاحیت اور اپنی لیاقت کے بقدر دعوت اللہ کے فرض منصبی سے عہدہ برہو، اللہ رب العزت نے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دینے کے لیے کوئی خاص اسلوب، کوئی خاص منہج اور کوئی خاص پیمانہ وضع نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ داعی کی طینت پر منحصر ہے کہ جو اسلوب جو طریقہ اور جو منہج بھی حالات اور داعی کی طبیعت اور مزاج کے موافق ہو اس منہج پر وہ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے، تاہم داعی کے لیے تین امور قابل لحاظ ہیں کہیں یہ نہ ہو کہ داعی بے لگام ہو جائے، حالات سے ناواقفیت کی بنا پر لوگ اس کی دعوت پر کان دھرنے کے بجائے اس سے بیزار ہو جائیں، اس کی دعوت سے متنفر ہو جائیں۔ وہ تین امور اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کے اندر جمع فرما دیے ہیں:

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ "(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے اچھا ہو)

لہذا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ مختلف صلاحیتوں اور لیاقتوں کی بنیاد پر دعاۃ کا اسلوب دعوت اور منہج بھی مختلف ہوتا ہے، چنانچہ کوئی اس فریضے کی انجام دہی کے لیے تالیف وتصنیف کا راستہ چنتا ہے، تو کوئی محاضرات وخطبات کے ذریعے اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے، کوئی درس وتدریس کی راہ اختیار کرتا ہے، تو کوئی خطبۂ جمعہ کو اپنا میدان دعوت بناتا ہے اور کوئی مکالماتی اسلوب اپناتا ہے ۔لیکن یہ سب دعوت الی اللہ کے وہ طریق ہائے کار ہیں جن سے ہر کس وناکس بہرہ مند نہیں ہوسکتا اور ان کا دائرہ اثر مخصوص طبقے پر سمٹ جاتا ہے، چنانچہ محاضرات سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو محاضرہ گاہ میں ہو اور سنے، درس وتدریس اسی کے لیے کارگر ہوسکتی ہے جو علمی درسگاہوں سے وابستہ ہو، مباحثہ ومجادلہ اسی وقت اپنے جوہر دکھا سکتا ہے جبکہ مدلل مبرہن ہو۔

مگر ان تمام طرق میں سب سے زیادہ مؤثر اور دوررس طریقہ اور منہج یہ ہے کہ داعی اسوۂ حسنہ اور اسلامی اخلاق و کردار کو اپنا ہتھیار بنائے، یہی وہ مؤثر اور آسان اسلوب دعوت ہے جسے اپنا کر ہر کس وناکس دعوت الی اللہ کا کام بحسن وخوبی کرسکتا ہے، خواہ اسکی عمر کچھ ہو، اس کا مزاج اور طبیعت، اس کا خاندان، لوگوں میں اسکی قدر ومنزلت کچھ بھی ہو، اور یہ وہ اسلوب دعوت ہے جس کے لیے نہ تو وسعت علم ومطالعہ کی درکار ہوتی ہے، نہ طلاقت لسانی اور زبان کی روانی کی، نہ بھرپور ذخیرۂ الفاظ کی اور نہ براہین قاطعہ کی، حتی کہ یہ اسلوب دعوت چھاپہ خانوں، محفلوں ومجلسوں اور منبر ومحراب کا بھی محتاج نہیں

ہوتا، بلکہ یہ اس قدر ہمہ گیر اور وسیع اسلوب دعوت ہے کہ اس کو اختیار کر کے ملازم اپنے دفتر میں، تاجر اپنی دوکان میں، طالب علم اپنے مدرسے میں، مصلی اپنی مسجد میں، کاریگر کارخانے میں، طبیب اپنے مطب میں، کھلاڑی میدان کھیل میں، راہگیر سڑکوں اور شاہراہوں پر، گاہک بازاروں میں، سپاہی میدان جنگ میں، حتی کہ وہ شخص بھی جو ٹکٹ خرید کرنے لیے لائن میں کھڑا ہے اور وہ شخص جو تفریح گاہوں میں دلچسپی رکھتا ہے، ان میں سے ہر ایک اسوہ حسنہ اور اسلامی سیرت و کردار کا اعلی نمونہ پیش کر کے اسلامی تعلیمات کی طرف دعوت دے سکتا ہے۔

اسی لیے ہر داعی ہر مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ سرور کائنات معلم اخلاق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلی اسوہ سے متصف ہو جس کی قرآن نے شہادت دی: "اِنَّكَ لَعَلٰي خُلُقٍ عَظِيمٍ" (آپ ﷺ اعلی اخلاق پر فائز ہیں) اور یہ شہادت: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (نبی ﷺ کی زندگی میں تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہے) لہذا داعی کا ہر قول و فعل اسوۂ نبوی کا غماز ہو، خدمت خلق، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، ترش روئی کا جواب نرمی سے، برائی کا جواب بھلائی سے داعی ان تمام صفات حمیدہ کا حامل ہو۔

****

تخلیقی سوچ

محمود الحسن مدراسی

تخلیقی سوچ انسان کی سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک ہے۔ یہ صرف فنکاروں یا لکھاریوں کے لیے نہیں بلکہ ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ تخلیقی سوچ ہمیں نئے طریقے تلاش کرنے، مسائل کا حل نکالنے اور زندگی کو دلچسپ بنانے میں مدد دیتی ہے۔ جو لوگ روزمرہ کی سوچ کے دائرے سے باہر نکل کر سوچتے ہیں، وہ نئے مواقع دیکھ پاتے ہیں اور اپنی زندگی میں فرق لا سکتے ہیں۔ تخلیقی سوچ پیدا کرنے کے لیے چھوٹے تجربے اہم ہیں۔ جب ہم کسی کام کو نئے انداز سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا معمول کے طریقے بدلتے ہیں، تو دماغ نئی راہیں تلاش کرتا ہے۔ یہ عادت انسان کے مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت کو مضبوط کرتی ہے اور روزمرہ کے چیلنجز میں آسانی پیدا کرتی ہے۔ یہ سوچ انسان کے تعلقات میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم دوسروں کے نظریات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نئے حل تجویز کرتے ہیں، تو لوگ ہمیں سنجیدہ اور قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ تخلیقی سوچ محض ذاتی ترقی نہیں بلکہ معاشرتی فائدے بھی دیتی ہے۔ عادتاً تخلیقی سوچ اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خوف یا ہچکچاہٹ کو پیچھے چھوڑیں اور نئے خیالات پر عمل کریں۔ چھوٹے قدم سے آغاز کریں، لیکن مستقل مزاج رہیں۔ ہر نیا خیال یا نیا تجربہ ہمیں بہتر بنانے اور زندگی کو زیادہ معنی دینے کا موقع دیتا ہے۔

پُرسکون زندگی

مولانا گل نواز ایوبی

کائنات کی ہر ذی روح چیز میں خواہشات کا مادہ ہے، چاہے انسان ہو یا حیوان۔ اگر یہ کہا جائے کہ خواہشات کی گھٹی ان کو پلائی گئی ہے تو اس سے انکار ممکن نہیں۔ انسان کی لامتناہی خواہشات میں سے ایک مشترکہ خواہش ایک پُرسکون زندگی کا خواب ہے جس، کو پورا کرنے کے لئے بسا اوقات انسان خاکِ شرق وغرب کو بھی چھان لیتا ہے، جس کو آج کل کی اصطلاح میں ٹورسٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ یہ ضروری نہیں کہ پُرسکون زندگی کے حصول کے لئے دردر کی خاک کو چھان لیا جائے، بلکہ بعضوں کو یہ نعمت عظمی اپنے گھروں میں ہی دستیاب ہے۔ اس نعمت عظمی سے مالا مال لوگوں میں اکثریت مذہب اسلام کے متبعین کی ہے اور اس نعمت سے محروم لوگوں میں اکثریت دین اسلام کے علاوہ ادیان باطلہ کے پیروکاروں کی ہے۔ بے سکونی کا مرض مسلمانوں میں بہت کم پایا جاتا ہے، اس لئے کہ مسلمانوں کے پاس حصول سکون کے لئے ایک نسخہ کیمیا موجود ہے اور وہ ہے شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنا۔ مثلاً جب بھی دل بے چین ہو افوراً اس طبیب کی طرف رجوع کرتے ہیں جو طبیب الاطباء ہے مثلا: پریشانی کی صورت میں فوراً وضو کر کے قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی یا نوافل میں مصروف ہو گیا یا ذکر واذکار میں یا اگر کچھ عبادت بھی نہیں کی، بلکہ صرف مسجد میں بیٹھ گیا تو چند ہی لمحوں میں طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی ہے، تو مذکورہ صورت میں مسلمانوں کا عبادت کی طرف رجوع کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جو کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

"الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"۔ (الرعد: ۲۸) (یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں، سن لو اللہ ہی کے ذکر میں دلوں کا اطمینان ہے۔)

گویا کہ مسلمانوں کو چین وسکون کی جو دولت نصیب ہے وہ اختیار اسلام اور اتباع قرآن سے نصیب ہے۔ رہا یہ سوال کہ غیر مسلم اس نعمت سے محروم کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، سب کو عدم سے وجود میں لانے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس ذات نے انسان کو پیدا کر کے یونہی بیکار و بے مہار نہیں چھوڑا، بلکہ زندگی کے ہر ہر پہلو کی رہنمائی کے لئے اصول وضوابط مقرر فرمائے، جو کتب سماوی میں مذکور ہیں، مگر سوائے قرآن مجید کے باقی کتب میں تحریف کی وجہ سے وہ اصول وضوابط محرف ہو گئے، جس کی وجہ سے ان مذاہب کے پیروکار (غیر مسلم) ایک بہترین زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین سے رہنمائی حاصل نہ کر سکے اور آج اسی کے حصول یعنی سکون

وچین کے لئے دنیا کے کونے کونے میں بھٹک رہے ہیں اور بزبان حال یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

خدا تعالیٰ کے وضع کردہ قوانین پر نہ چلنے کی صورت میں ان کے لئے ان کے گھر بار، جال صیاد ثابت ہو رہے ہیں، ان کے گھروں سے زیادہ تعداد پاگل خانوں کی ہے، اس لئے کہ جب پریشانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو وہ پاگل خانے ان کا مسکن ٹھہرتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ کے ایک شہر نیویارک میں پاگل خانوں کی تعداد (۱۰۰) سے متجاوز ہے، جو ان کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں اور بے چینیوں کے لئے ایک واضح دلیل ہے، اس کے برخلاف اگر مسلم ممالک میں پاگل خانوں کی تعداد معلوم کی جائے تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے، سوائے ایک دو کے، تو غیر مسلم ممالک میں یہ بڑھتے ہوئے پاگل خانے یہ اندرونی عذاب کی ہی ایک صورت ہے جو ان کی دہلیز پر دستک دے رہی ہے۔ سورۂ نباء میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً، وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً" (النبأ: ۱۰، ۱۱) (اور ہم نے رات کو سونے کے لئے بنایا اور دن کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔)

دن رات جو کہ چوبیس گھنٹوں پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ نے تغیر الوان کے ذریعے ایسی تقسیم فرمائی کہ ایک حصہ آرام کے لئے وقف ہو گیا اور ایک حصہ حصول معاش کے لئے وقف ہو گیا۔ اور اس تقسیم کو انسان کی فطرت میں رکھ دیا کہ جب سورج نکلتا ہے تو ہر آدمی خود بخود اپنے اندر ایک طرح کی چستی محسوس کرتا ہے جو اس کو عدم قرار پر برانگیختہ کرتی ہے اور جیسے ہی دن ختم ہوتا ہے، شام کی کالی گھٹائیں ہر چیز کو اپنی بانہوں میں لپیٹ لیتی ہیں۔ قدرتی طور پر انسان کی طبیعت خود بخود آرام وسکون کی طرف مائل ہوتی ہے، انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانوں میں بھی یہی روزمرہ کا معمول ہے۔ ہر آدمی مذکورہ بالا آیت کو مدنظر رکھ کر ان اوقات پر پابندی سے عمل پیرا ہو جائے تو زندگی میں بہار آ جائے، ہر لمحہ حیات خوشبو سے مہک اٹھے گا، سفینۂ حیات تیز وتند موجوں سے نکل کر ساحل پر آ لگے گا، مگر ہمیں اپنی زندگیوں میں چین وسکون کی بہار لانے کے لئے خالق قدرت کے وضع کردہ نظام حیات کے سانچے میں اپنے انگ انگ کو ڈھالنا پڑے گا اور دن رات کو اس کے مقررہ دائرہ کار میں استعمال کرنا ہوگا۔ اگر ہم رب کریم کی اس تقسیم کے خلاف کریں گے یا اس نظام پر چلیں تو سہی، مگر رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے جاگنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے قانون میں ترمیم کر لیں تو اس کے ہم پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ ذرا ان پر نظر ڈالتے ہیں:

اس تقسیم کے خلاف یا تاخیر کی صورت میں ہمارا دل ودماغ متاثر ہوتا ہے، معمولات زندگی درہم برہم ہو جاتے ہیں، چہرہ مرجھایا ہوا لگتا ہے، اردگرد کا ماحول الٹا نظر آنے لگتا ہے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رب کریم کے صرف ایک قانونز میں ترمیم کی صورت میں ہمارے اوپر بے شمار اثرات ظاہر ہونے شروع ہو گئے؟ آیئے عہد کریں!

اگر ہم نے پُرسکون زندگی گزارنی ہے تو ہمیں اپنی زندگی کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضع کردہ قوانین، اصول وضوابط اور ہدایت کی راہوں پر اپنے قدموں کو جمانا ہوگا اور رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا کو اپنے ظاہر وباطن میں رچانا ہوگا، اس لئے کہ گود سے گور تک ہماری زندگی کی کامیابی کے راز انہی طریقوں میں پوشیدہ ہیں۔

فحاشی اور بے حیائی

فروغ دینے والوں کے لیے وعیدات

مولانا محمد عرفان اللہ اختر

ہر زندہ اور مہذب معاشرہ کچھ بنیادی اخلاقی اقدار پر قائم ہوتا ہے۔ ان اقدار میں حیا، عفت، پاکیزگی، شرم ولحاظ اور اخلاقی ضبط کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس لیے اس نے فرد، خاندان اور معاشرے کی تطہیر کے لیے حیا کو نہ صرف اخلاقی خوبی بلکہ ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے موجودہ دور، بالخصوص سوشل میڈیا کے بے لگام استعمال نے فحاشی اور بے حیائی کو اس قدر عام کر دیا ہے کہ برائی اب برائی محسوس ہی نہیں ہوتی، بلکہ بعض حلقوں میں اسے آزادی، ماڈرن ازم اور ترقی کا نام دیا جا رہا ہے۔ فحاشی و بے حیائی محض ایک گناہ نہیں، بلکہ فکری یلغار ہے جو معاشرے کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق فحاشی صرف کھلے زنا یا بدکاری کا نام نہیں، بلکہ بے پردگی، فحش گفتگو، عریانی، جنسی اشتعال انگیز مواد، بے حیائی پر مبنی تصاویر، ویڈیوز اور تحریریں، ان تمام اعمال کی تشہیر و ترغیب یہ سب فحاشی کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ ایک انفرادی گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی فساد بھی ہے، کیونکہ اس کا اثر صرف کرنے والے تک محدود نہیں رہتا بلکہ دیکھنے، سننے اور متاثر ہونے والے سب اس کی لپیٹ میں آتے ہیں۔

قرآن نے فحاشی کو نہ صرف غلط عمل قرار دیا ہے، بلکہ اس کے قریب بھی جانے سے روکا ہے۔ قرآنی حکم ہے کہ: ''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، بے شک وہ فحاشی اور برا راستہ ہے۔'' (سورۃ بنی اسرائیل: ۳۲) اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ فرماتا ہے: ''کہہ دو! میرے رب نے تمام فحش چیزوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام کیا ہے۔'' (سورۃ الاعراف: ۳۳) یہ آیات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام نے فحاشی کی ہر شکل سے بچنے اور اس کے پھیلاؤ سے روکنے کے لیے سخت ہدایات دی ہیں۔ فحاشی پھیلانے والوں کے لیے قرآن کی آیت سخت وعید اور عذاب کا وعدہ بیان کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے.....'' (سورۃ النور: ۱۹) یہ آیت ایسے عناصر کے لیے وعید ہے جو فحاشی و بے حیائی کو عام کرنا چاہتے ہیں اور آج سوشل میڈیا اس کا ایک مؤثر ذریعہ بن گیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فحاشی کو ہر صورت میں ناپسند فرمایا ہے، خواہ وہ کھلے عام ہو یا خفیہ، فرد کی سطح پر ہو یا معاشرے میں پھیلائی جا رہی ہو۔ خصوصی طور پر قرآن اس ذہنیت کو انتہائی خطرناک قرار دیتا ہے جو یہ چاہتی ہو کہ ایمان والوں کے معاشرے میں بے حیائی عام ہو جائے۔ ایسی سوچ رکھنے والوں کے لیے قرآن، دنیا اور آخرت دونوں میں سخت سزا کی وعید سناتا ہے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن صرف عملِ بد کو نہیں، بلکہ برائی کے پھیلانے، اس کی خواہش رکھنے اور اس کی تشہیر

کرنے کو بھی جرم قرار دیتا ہے۔ سوشل میڈیا پر فحش مواد شیئر کرنا، لائک کرنا، آگے پھیلانا یا اس کی حمایت کرنا، یہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ حیا ایمان کا حصہ ہے اور اس کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر دین کا ایک خاص وصف ہے اور اسلام کا خاص وصف حیا ہے۔'' (موطا امام مالک) یہ حدیث حیا کی بنیادی اہمیت کو اُجاگر کرتی ہے۔ حیا کا زوال دراصل اسلام سے فاصلے کا نشان ہے، اور سوشل میڈیا پر بے حیائی پھیلانے والے اسی زوال کا حصہ بنتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف برائی کرنے والوں کو نہیں، بلکہ خاموش رہنے والوں کو بھی مخاطب کیا ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے: ''تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے، پھر دل میں برا جانے، یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔'' (صحیح مسلم) یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ سوشل میڈیا پر فحاشی اور بے حیائی پھیلانے کے خلاف خاموش رہنا بھی قابلِ مذمت عمل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں حیا کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ: ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' حیا خیر ہی خیر لاتی ہے اور جب کسی معاشرے سے حیا اُٹھالی جائے تو وہاں ہر قسم کی برائی بے خوف ہو جاتی ہے۔ احادیثِ مبارکہ کا مفہوم یہ بتاتا ہے کہ بے حیائی دراصل انسان کو گناہوں پر جری بنا دیتی ہے۔ جب دل سے شرم ختم ہو جائے تو آنکھ، کان، زبان اور جسم سب بے لگام ہو جاتے ہیں۔

آج سوشل میڈیا پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسی ''حیا کے خاتمے'' کی عملی تصویر ہے۔ سوشل میڈیا بذاتِ خود برا نہیں، مگر اس کا غلط استعمال، بے مقصد آزادی، دینی و اخلاقی نگرانی کا فقدان اسے فحاشی پھیلانے کا سب سے مؤثر ذریعہ بنا چکا ہے، جس کی بنا پر یہ فحاشی کا سب سے طاقتور ہتھیار بن رہا ہے۔ یہ وہ خاموش زہر ہے جو حیا کو ختم کرتا ہے، غیرت کو مٹا دیتا ہے، خاندان کے نظام کو کمزور کرتا ہے اور زنا، بے راہ روی اور اخلاقی انارکی کو جنم دیتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں فحاشی عام ہو جائے، برائی پر نکیر ختم ہو جائے اور نیکی کو دقیانوسیت سمجھا جانے لگے تو پھر اللہ کی پکڑ آتی ہے، اجتماعی زوال شروع ہو جاتا ہے اور برے لوگوں کے ساتھ اچھے بھی آزمائش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام صرف فرد کی اصلاح نہیں، بلکہ اجتماعی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ خاموش تماشائی بھی بری الذمہ نہیں، بلکہ گناہ ہوتے دیکھ کر اس پر خاموش رہنے والا، اسے معمول سمجھنے والا اور اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں روکنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ روکنے والا بھی جواب دہ ہے۔ سوشل میڈیا پر فحش مواد دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا، یا یہ کہہ دینا کہ: ''یہ میرا مسئلہ نہیں'' اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔

موجودہ دور میں ہماری ذمہ داری ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ہم اپنے اندر حیا کو زندہ رکھیں، سوشل میڈیا کے استعمال میں خوفِ خدا کو ملحوظ رکھیں، فحش مواد سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی حکمت سے روکیں، اپنے بچوں اور نوجوان نسل کی دینی و اخلاقی تربیت کی فکر و سعی کریں، بے حیائی کو آزادی نہیں، معاشرتی و اخلاقی فساد سمجھیں۔ فحاشی اور بے حیائی کوئی معمولی سماجی برائی نہیں، بلکہ یہ ایمان، اخلاق، خاندان اور تہذیب کے لیے کھلا خطرہ ہے۔

فقہ وفتاوی

مفتی محمد ریحان گودھروی

سوال.....منی ٹرانسفر کرنے کا پیشہ اختیار کرنا اور اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟

جواب.....عموماً جس طرح منی ٹرانسفر کا معاملہ چلتا ہے اس میں منی ٹرانسفر کرنے والا شرعاً اجیر بن جاتا ہے، لہذا منی ٹرانسفر کرنے کا پیشہ اختیار کرنا اور اس کی اجرت لینا درست ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض: جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ: جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس کے دی جاتی ہے، اور دونوں معاملے جائز ہیں، پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے۔ اور چوں کہ اس میں ابتلاء عام ہے، اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتوی مناسب ہے''۔ (امداد الفتاوی، کتاب الربوا عنوان تحقیق منی آرڈر ۳/ ۱۴۴، دار العلوم کراچی)

سوال.....اٹیچڈ باتھ روم میں وضوء کرنا اور وضوء کی دعائیں پڑھنے کا حکم؟

جواب.....اٹیچڈ باتھ روم میں وضو کرنے کی گنجائش ہے، البتہ دعاؤں کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وضوء خانہ اور بیت الخلاء دونوں بالکل متصل ہوں اور بیت الخلاء کی بدبو وضوء خانہ میں محسوس ہو، تو دل میں دعاء پڑھنی چاہیے، اور اگر بیت الخلاء اور وضوء خانہ میں کچھ فاصلہ ہو اور وضوء خانہ تک بدبو محسوس نہ ہو، تو بعض حضرات کے نزدیک دعاء پڑھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد از منتخب فتاوی دار العلوم دیوبند: ص: ۱۱۵، مکتبہ دار العلوم دیوبند)

سوال.....کاہنوں کی باتوں کو تفریحی طور پر سننا اور اس کی تصدیق کرنا کیسا ہے؟

جواب.....کاہنوں اور نجومیوں کے پاس جانا، ان کی باتوں کی تصدیق کرنا، نیز انکی باتوں پر یقین کرنا، یہ سب ناجائز ہے۔ اس سے بعض دفعہ آدمی کفر تک پہونچ جاتا ہے، لہذا تفریحی طور پر بھی سننے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

قال: ومن هذا الفن العرافة، وصاحبها عراف، وهو الذي يستدل على الأمور بأسباب ومقدمات يدعي معرفتها بها. وقد يعتضد بعض هذا الفن ببعض في ذلك بالزجر والطرق والنجوم وأسباب معتادة. وهذه الأضرب كلها تسمى: "كهانة"، وقد أكذبهم كلهم الشرع ونهى عن تصديقهم واتباعهم، والله أعلم (تكمله فتح الملهم ۴/۳۳۶، دار احیاء التراث العربی۔ فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۱، ڈابھیل۔ بہشتی زیور ۱/۵۵)

سوال.....شوال کے چھ روزے رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح عید کے بعد فوراً رکھنا ضروری ہے یا شوال کے پورے مہینہ میں کبھی بھی رکھا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اکھٹا رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ بھی رکھ سکتے ہے؟

جواب.....شوال کے چھے روزے رکھنا مستحب ہے، حدیث میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے: **عن أبي**

أيوب الأنصاري رضي الله عنه أنه حدثه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من صام رمضان، ثم أتبعه ستاً من شوال، كان كصيام الدهر. (صحیح مسلم: حدیث: ۱۱۶۳) ''حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو رمضان کے روزہ رکھے، اور پھر اس کے بعد شوال کے چھے روزے رکھے تو گویا کہ اس نے پورے سال روزے رکھے''۔

واضح رہے کہ شوال کے چھ روزے عید کے دن کے فوراً بعد رکھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ پورے شوال کے مہینہ میں کبھی بھی رکھنے کی گنجائش ہے، نیز ایک ساتھ تسلسل سے رکھنا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ الگ الگ بھی رکھا جاسکتا ہے۔

(قوله: وندب إلخ) ذكر هذه المسألة بين مسائل النذر غير مناسب وإن تبع فيه صاحب الدرر (قوله: على المختار) قال صاحب الهداية في كتابه التجنيس: إن صوم الستة بعد الفطر متتابعة منهم من كرهه والمختار أنه لا بأس به، لأن الكراهة إنما كانت لأنه لا يؤمن من أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبها بالنصارى والآن زال ذلك المعنى اهـ ومثله في كتاب النوازل لأبي الليث والواقعات للحسام الشهيد والمحيط البرهاني والذخيرة، وفي الغاية عن الحسن بن زياد أنه كان لا يرى بصومها بأسا ويقول كفى بيوم الفطر مفرقا بينهن وبين رمضان اهـ وفيها أيضا عامة المتأخرين لم يروا به بأسا۔ (رد المحتار: ۴۳۵/۲، دار الفكر، بيروت، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴۸۹/۶، مکتبہ دار العلوم دیوبند)

سوال.....نیل پالش لگنے کی صورت میں وضوء کا حکم؟

جواب.....نیل پالش اگر ایسی ہو کہ وہ ناخن کی تہ تک اس طرح اتر جائے کہ پانی اس کے نیچے تک نہ پہونچے، (عموماً بازار میں نیل پالش اسی طرح کی مل رہی ہے) تو وضوء صحیح نہیں ہوگا، لہذا وضوء کرنے سے پہلے اس کو چھڑانا ضروری ہے، اور اگر پانی نیچے چمڑی تک پہونچ جاتا ہو تو پھر وضوء صحیح ہوجائیگا۔ ولا يمنع الطهارة ونيم وحناء ودرن - وقيل: إن صلبًا منع وهو الأصح - قال ابن عابدين: أي: إن كان ممضوغاً مضغًا متأكدًا بحيث تداخلت أجزاؤه وصار لزوجةً وعلاكةً كالعجين لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج۔ (ردالمحتار: ۱/ ۱۵۴، بیروت۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/ ۱۱۹) نوٹ: نیل پالش چمڑی تک پہونچ رہی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ از خود نہ کرے بلکہ کسی معتبر و مستند عالم دین سے رجوع کیا جائے۔

سوال.....کیا اے سی کا پانی پاک ہے؟ اس پانی سے وضوء کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب.....اے سی کا پانی پاک ہے اور اس پانی سے طہارت حاصل کرنا بھی جائز ہے۔ (يرفع الحدث) مطلقا (بماء مطلق) هو ما يتبادر عند الإطلاق (كماء سماء وأودية وعيون وآبار وبحار وثلج مذاب) بحيث يتقاطر وبرد وجمد وندا، هذا تقسيم باعتبار ما يشاهد وإلا فالكل من السماء {أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً} [الحج: 63] (الدر المختار: ۱/ ۱۷۹، دار الفكر بيروت)

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط:۱۰ از: میر امن دہلوی

سیر پہلے درویش کی: (گذشتہ سے پیوستہ)

تب میں نے گھبرا کر جوان سے پوچھا کہ یہ تحفہ علّت کون ہے؟ تُو نے کہاں سے پیدا کی؟ وہ جوان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ یہ وہی لونڈی ہے کہ اِس باغ کے ساتھ حضور کی عنایت سے خرید ہوئی۔ میں نے معلوم کیا کہ اس احمق نے بڑی خواہش سے اِس کو لیا ہے۔ شاید اس کا دل اس پر مائل ہے۔ اسی خاطر سے پیچ وتاب کھا کر میں چُپکی ہو رہی، لیکن دل اُسی وقت سے مکدّر رہا اور ناخوشی مزاج پر چھا گئی، تس پر قیامت اُس ایسے تیسے نے یہ کی کہ ساقی اُسی چھنال کو بنایا۔ اُس وقت میں اپنا لہُو پیتی تھی اور جیسے طوطی کو کوئی کوّے کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کرتا ہے، نہ جانے کی فرصت پاتی تھی اور نہ بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ قصہ مختصر وہ شراب بوند کی بوند تھی جس کے پینے سے آدمی حیوان ہو جاوے۔ دو چار جام پے در پے اُسی تیز آب کے جوان کو دیے اور آدھا پیالہ جوان کی منت سے میں نے زہر مار کیا۔ آخر وہ پلشت بے حیا بھی بدمست ہو کر اُس مردود سے بے ہُودہ ادائیں کرنے لگی، اور وہ چبلا بھی نشے میں بے لحاظ ہو چلا اور نامعقول حرکتیں کرنے لگا۔

مجھے یہ غیرت آئی اگر اُس وقت زمین پھاٹے تو میں سما جاؤں۔ لیکن اس کی دوستی کے باعث میں بلّی اس پر بھی چُپ ہو رہی۔ پر وہ تو اصل کا پاجی تھا، میرے اس درگزرنے کو نہ سمجھا، نشے کی لہر میں اور بھی دو پیالے چڑھا گیا کہ رہتا سہتا ہوش جو تھا، وہ بھی گُم ہوا۔ اور میری طرف سے مطلق دھڑکا جی سے اُٹھا دیا۔ بے شرمی سے شہوت کے غلبے میں میرے روبرو اُس بے حیا نے اُس بندوڑ سے صحبت کی۔ نہ اس بے وفا میں وفا نہ اُس بے حیا میں حیا، جیسی روح ویسے فرشتے۔ میری اس وقت یہ حالت تھی جیسے اوسر چوکے ڈومنی گاوے تال بے تال، اپنے اوپر لعنت کرتی تھی کہ کیوں تو یہاں آئی جس کی یہ سزا پائی؟ آخر کہاں تک سہوں، میرے سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی اور انگاروں پر لوٹنے لگی، اس غصّے اور طیش میں یہ کہاوت (بیل نہ کوُدا کُودے گون، یہ تماشا دیکھے کون) کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھی۔

وہ شرابی اپنی خرابیِ دل میں سوچا کہ اگر بادشاہ زادی اس وقت ناخوش ہوئی تو کل میرا کیا حال ہوگا اور صبح کو کیا قیامت مچے گی؟ اب یہ بہتر ہے کہ شاہ زادی کو مار ڈالوں۔ یہ ارادہ اس غیبانی کی صلاح سے جی میں ٹھہرا کر گلے میں پٹکا ڈال میرے پاؤں آ کر پڑا، اور پگڑی سر سے اُتار کر منّت وزاری کرنے لگا۔ میرا دل تو اُس پر لٹّو ہو رہا تھا، جدھر لئے پھرتا تھا، پھرتی تھی اور چکی کی طرح میں اس کے اختیار میں تھی۔ جو کہتا تھا سو کرتی تھی، جوں توں مجھے پھسلا پنڈھلا کر پھر بٹھلایا اور اُسی

شراب دو آتشہ کے دو چار پیالے بھر بھر کر آپ بھی پیے اور مجھے بھی دیے، ایک تو غصّے کے مارے جل بھن کر کباب ہو رہی تھی، دوسرے ایسی شراب پی جلد بے ہوش ہوگئی، کچھ حواس باقی نہ رہے۔ تب اُس بے رحم نمک حرام کٹّر سنگ دل نے تلوار سے مجھے گھایل کیا بلکہ اپنی دانست میں مار چکا۔ اُس دم میری آنکھ کھلی تو مُنہ سے یہی نکلا، خیر، جیسا ہم نے کیا، ویسا پایا لیکن تُو اپنے تئیں میرے اس خونِ ناحق سے بچائیو۔ مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر

مرے لہُو کو تو دامن سے دھو، ہُوا سو ہُوا کسی سے یہ بھید ظاہر نہ کیجیو، ہم نے تو تجھ سے جان تک بھی درگزر نہ کی، پھر اس کو خدا کے حوالے کر کے مرا جی ڈوب گیا، مجھے اپنی سُدھ بُدھ کچھ نہ رہی، شاید اُس قصائی نے مجھے مُردہ خیال کر اُس صندوق میں ڈال کر قلعے کی دیوار کے تلے لٹکا دیا، سو تُو نے دیکھا میں کسی کا برا نہ چاہتی تھی لیکن یہ خرابیاں قسمت میں لکھی تھیں، مٹتی نہیں کرم کی ریکھا، ان آنکھوں کے سبب یہ کچھ دیکھا۔ اگر خوب صورتوں کے دیکھنے کا دل میں شوق نہ ہوتا تو وہ بدبخت میرے گلے کا طوق نہ ہوتا۔ اللہ نے یہ کام کیا کہ تجھ کو وہاں پہنچا دیا اور سبب میری زندگی کا کیا۔ اب حیا جی میں آتی ہے کہ یہ رُسوائیاں کھینچ کر اپنے تئیں جیتا نہ رکھوں یا کسی کو مُنہ نہ دکھاؤں۔ پر کیا کروں، مرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں نہیں، خدا نے مار کر پھر جلایا، آگے دیکھیے کہ کیا قسمت میں بدا ہے۔

ظاہر میں تو تیری دوڑ دھوپ اور خدمت کام آئی جو ویسے زخموں سے شفا پائی۔ تُو نے جان و مال سے میری خاطر کی اور جو کچھ اپنی بساط تھی، حاضر کی۔ اُن دنوں تجھے بے خرچ اور دو دلا دیکھ کر وہ شقّہ سیدی بہار کو (جو میرا خزانچی ہے) لکھا، اُس میں یہی مضمون تھا کہ میں خیر و عافیت سے اب فلانے مکان میں ہوں، مجھ بدطالع خبر والدہ شریفہ کی خدمت میں پہنچائیو۔ اُس نے تیرے ساتھ دو کشتیاں نقد کی خرچ کی خاطر بھیج دیں۔ اور جب تجھے خلعت اور جواہر خرید کرنے کو یوسف سوداگر بچّے کی دکان کو بھیجا، مجھے یہ بھروسا تھا کہ وہ کم حوصلہ ہر ایک سے جلد آشنا ہو بیٹھتا ہے، تجھے بھی اجنبی جان کر اغلب ہے کہ دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا، سو میرا منصُوبہ ٹھیک بیٹھا، جو کچھ میرے دل میں خیال آیا تھا اُس نے ویسا ہی کیا۔ تُو جب اُس سے قول قرار پھر آنے کا کر کر میرے پاس آیا اور مہمانی کی حقیقت اور اُس کا بَجِد ہونا مجھ سے کہا، میں دل میں خوش ہوئی کہ جب تُو اس کے گھر میں جا کر کھاوے پیوے گا، تب اگر تُو بھی اُس کو مہمانی کی خاطر بلاوے گا، وہ دوڑا چلا آوے گا۔ اِس لئے تجھے جلد رُخصت کیا۔

تین دن کے پیچھے جب تُو وہاں سے فراغت کر کے آیا اور میرے رُوبرو عذر غیر حاضری کا شرمندگی سے لایا، میں نے تیری تشفّی کے لئے فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں، جب اُس نے رضا دی تب تُو آیا، لیکن بے شرمی خوب نہیں کہ دُوسرے کا احسان اپنے سر پر رکھئے اور اُس کا بدلا نہ کیجیے، اب تُو بھی جا کر اُس سے استدعا کر اور اپنے ساتھ ہی ساتھ لے آ۔ جب تُو اُس کے گھر گیا تب میں نے دیکھا کہ یہاں کچھ اسباب مہمان داری کا تیّار نہیں اگر وہ آ جاوے تو کیا کروں؟ لیکن یہ فرصت پائی کہ اس ملک میں قدیم سے پادشاہوں کا یہ معمُول ہے کہ آٹھ مہینے کاروبار مُلکی اور مالی کے واسطے ملک گیری میں باہر رہتے ہیں اور چار مہینے موسمِ برسات کے قلعۂ مبارک میں جلوس فرماتے ہیں۔ اُن دنوں دو چار مہینے سے پادشاہ یعنی ولی نعمت مجھ بدبخت

کے بندوبست کی خاطر ملک میں تشریف لے گئے تھے۔

جب تک تُو اُس جوان کو ساتھ لے کر آوے کہ سیدی بہار نے میرا احوال خدمت میں پادشاہ بیگم کی (کہ والدہ مجھ ناپاک کی ہیں) عرض کیا۔ پھر میں اپنی تقصیر اور گُناہ سے خجل ہو کر اُن کے رُوبرو جا کر کھڑی ہوئی اور جو سرگزشت تھی سب بیان کی۔ ہر چند اُنہوں نے میرے غائب ہونے کی کیفیت دُور اندیشی اور مہرِ مادری سے چُھپا رکھی تھی کہ خدا جانے اس کا انجام کیا ہو، ابھی یہ رُسوائی ظاہر کرنی خوب نہیں، میرے بدلے میرے عیبوں کو اپنے پیٹ میں رکھ چھوڑا تھا، لیکن میری تلاش میں تھیں۔ جب مجھے اس حالت میں دیکھا اور سب ماجرا سُنا، آنسُو بھر لائیں اور فرمایا اے کم بخت ناشدنی! تُو نے جان بُوجھ کر نام ونشان بادشاہت کا سارا کھویا، ہزار افسوس! اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھویا۔ کاش کہ تیرے عوض میں پتھر جنتی تو صبر آتا! اب بھی توبہ کر، جو قسمت میں تھا سو ہُوا، اب آگے کیا کرے گی؟ جیوے گی یا مرے گی؟ میں نے نہایت شرمندگی سے کہا کہ مُجھ بے حیا کے نصیبوں میں یہی لکھا جو اس بدنامی اور خرابی میں ایسی ایسی آفتوں سے بچ کر جیتی رہوں۔ اِس سے مرنا ہی بھلا تھا، اگرچہ کلنک کا ٹیکا میرے ماتھے پر لگا، پر ایسا کام نہیں کیا جس میں ماں باپ کے نام کو عیب لگے۔

اب یہ بڑا دکھ ہے کہ وہ دونوں بے حیا میرے ہاتھ سے بچ جاویں اور آپس میں رنگ رلیاں مناویں اور میں اُن کے ہاتھوں سے یہ کچھ دُکھ دیکھوں۔ حیف ہے مجھ سے کچھ نہ ہو سکے۔ یہ امیدوار ہوں کہ خانساماں کو پروانگی ہو، تو اسباب ضیافت کا بخوبی تمام اس کم بخت کے مکان میں تیّار کرے تو میں دعوت کے بہانے سے اُن دونوں بدبختوں کو بُلوا کر اُن کے عملوں کی سزا دُوں اور اپنا عوض لُوں۔ جس طرح اُس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑا اور گھایل کیا، میں بھی دونوں کے پُرزے پُرزے کرُوں، تب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو، نہیں تو اِس غصّے کی آگ میں پُھک رہیں ہوں، آخر جل بل کر بھوبل ہو جاؤں گی۔

یہ سُن کر اماّں نے آتما کے درد سے مہربان ہو کر میری عیب پوشی کی اور سارا لوازمہ ضیافت کا اُسی خواجہ سرا کے ساتھ (جو میرا محرم ہے) کر دیا۔ سب اپنے اپنے کارخانے میں آ کر حاضر ہوئے۔ شام کے وقت تُو اُس موئے کو لے کر آیا، مُجھے اُس قحبہ باندی کا بھی آنا منظور تھا۔ چنانچہ پھر تجھ کو تقیّد کر کر، اُسے بھی بُلوایا۔ جب وہ بھی آئی اور مجلس جمی، شراب پی پی کر سب بدمست اور بے ہوش ہوئے اور اُن کے ساتھ تُو بھی کیفی ہو کر مُردا سا پڑا۔ میں نے قلماقنی کو حکم کیا کہ ان دونوں کا سر تلوار سے کاٹ ڈال۔ اُس نے وَہیں ایک دم میں شمشیر نکال کر دونوں کے سر کاٹ بدن لال کر دیے اور تُجھ پر غصّے کا یہ باعث تھا کہ میں نے اجازت ضیافت کی دی تھی، نہ دو دن کی دوستی پر اعتماد کر کے شریک مے خوری کا ہو۔ البتہ تیری یہ حماقت اپنے تئیں پسند نہ آئی، اس واسطے کہ جب تُو پی پا کر بے ہوش ہوا، تب توقّع رفاقت کی تُجھ سے کیا رہی؟ پر تیری خدمت کے حق ایسے میری گردن پر ہیں کہ جو تجھ سے ایسی حرکت ہوتی ہے تو معاف کرتی ہوں۔ لے میں نے اپنی حقیقت ابتدا سے انتہا تک کہہ سُنائی، اب بھی دل میں کچھ اور ہَوس باقی ہے؟ جیسے میں نے تیری خاطر کر کے تیرے کہنے کو سب طرح قبول کیا، تُو بھی میرا فرمایا اُسی صورت سے عمل میں لا۔ صلاحِ وقت یہ ہے کہ اب اِس شہر میں رہنا میرے اور تیرے حق میں بھلا نہیں۔ آگے تُو مختار ہے۔

یا معبود اللہ! شہزادی اتنا فرما کر چپ رہی۔ فقیر تو دل و جان سے اس کے حکم کو سب چیز پر مقدّم جانتا تھا، اور اُس کی مَحبّت کے جال میں پھنسا تھا۔ بولا جو مرضیِ مبارک میں آوے سو بہتر ہے۔ یہ فدوی بے عذر بجالاوے گا۔ جب شہزادی نے میرے تئیں فرماں بردار و خدمت گار اپنا پُورا سمجھا، فرمایا دو گھوڑے چالاک اور جاں باز (کہ چلنے میں ہوا سے باتیں کریں) بادشاہ کے خاص اصطبل سے منگوا کر تیّار رکھ۔ میں نے ویسے ہی پری زاد چار گردے کے گھوڑے چُن کر زین بندھوا کر منگوائے۔ جب تھوڑی سی رات باقی رہی بادشاہ زادی مردانہ لباس پہن اور پانچوں ہتھیار باندھ کر ایک گھوڑے پر سوار ہوئی، اور دوسرے مرکب پر میں مسلّح ہو کر چڑھ بیٹھا اور ایک طرف کی راہ لی۔

جب شب تمام ہوئی اور پرچھا ہونے لگا، تب ایک پوکھر کے کنارے پہنچے۔ اُتر کر ہاتھ مُنہ دھوئے، جلدی جلدی کچھ ناشتہ کر کے پھر سوار ہو کر چلے۔ کبھو ملکہ کچھ کچھ باتیں کرتی، اور یُوں کہتی کہ ہم نے تیری خاطر شرم حیا، ملک مال ماں باپ، سب چھوڑا، ایسا نہ ہو کہ تُو بھی اُس ظالم بے وفا کی طرح سلوک کرے۔ کبھو میں کُچھ احوال اِدھر اُدھر کا راہ کٹنے کے لئے کہتا، اور اُس کا بھی جواب دیتا کہ پادشاہ زادی! سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اُس پاجی کے نُطفے میں کُچھ خلل ہو گا جو اُس سے ایسی حرکت واقع ہوئی اور میں نے تو جان و مال تُم پر تصدّق کیا اور تُم نے مجھے ہر طرح سرفرازی بخشی۔ اب میں بندہ بغیر داموں کا ہُوں۔ میرے چمڑے کی اگر جُوتیاں بنوا کر پہنو تو میں آہ نہ کروں۔ ایسی ایسی باتیں باہم ہوتی تھیں۔ اور رات دن چلنے سے کام تھا۔ کبھو جو ماندگی کے سبب کہیں اُترتے تو جنگل کے چرند پرند شکار کرتے۔ حلال کر کے نمک دان سے لون نکال چمک سے آگ جھاڑ بھُون بھان کر کھا لیتے اور گھوڑوں کو چھوڑ دیتے۔ وے اپنے مُنہ سے گھاس پات چَر چُگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے۔

ایک روز ایسے کفِ دست میدان میں جا نکلے کہ جہاں بستی کا نام نہ تھا اور آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی، اُس پر بھی پادشاہ زادی کی رفاقت کے سبب سے دن عید اور رات شب برات معلوم ہوتی تھی۔ جاتے جاتے انچت ایک دریا (کہ جس کے دیکھنے سے کلیجہ پانی ہو) راہ میں ملا۔ کنارے پر کھڑے ہو کر جو دیکھا تو جہاں تلک نِگاہ نے کام کیا، پانی ہی تھا، کچھ تھل بیڑا نہ پایا۔ یا الٰہی! اب اس سمندر سے کیوں کر پار اُتریں! ایک دم اِسی سوچ میں کھڑے رہے۔ آخر یہ دل میں لہر آئی کہ ملکہ کو یہیں بٹھا کر میں تلاش میں ناؤ نواڑی کے جاؤں، جب تلک اسباب گزارے کا ہاتھ آوے، تب تلک وہ نازنین بھی آرام پاوے۔ تب میں نے کہا اے ملکہ! اگر حکم ہو تو گھاٹ باٹ اس دریا کا دیکھوں۔ فرمانے لگی بہت تھک گئی ہوں اور بھوکی پیاسی ہو رہی ہوں، میں ذرا دم لے لوں جب تئیں تو پار چلنے کی کچھ تدبیر کر۔ اُس جگی ایک درخت پیپل کا تھا بڑا، چھتر باندھے ہوئے کہ اگر ہزار سوار آوے تو دھوپ اور مینہ میں اس کے تلے آرام پاوے۔ وہاں اُس کو بٹھا کر میں چلا اور چاروں طرف دیکھتا تھا کہ کہیں بھی زمین پر یا دریا میں نشان انسان کا پاؤں۔ بہتیرا سر مارا پر کہیں نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہاں سے پھر آیا تو اُس پری کو پیڑ کے نیچے نہ پایا۔ اُس وقت کی حالت کیا کہوں کہ سرت جاتی رہی؟ دیوانہ باؤلا ہو گیا۔ کبھو درخت پر چڑھ جاتا اور ڈال

ڈال پات پات پھرتا، کبھو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین میں گرتا اور اُس درخت کی جڑ کے آس پاس تصدّق ہوتا، کدھو چنگھاڑ مار کر اپنی بے بسی پر روتا۔ کبھو پچھّم سے پورب کو دوڑا جاتا، کدھو اُتّر سے دکھن کو پھر آتا۔

غرض بہتیری خاک چھانی لیکن اُس گوہرِ نایاب کی نشانی نہ پائی۔ جب میرا کچھ بس نہ چلا تب روتا اور خاک سر پر اُڑاتا تلاش ہر کہیں کرنے لگا۔ دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی جن اُس پری کو اُٹھا کر لے گیا اور مجھے یہ داغ دے گیا، یا اُس کے مُلک سے کوئی اُس کے پیچھے لگا چلا آیا تھا، اس وقت اکیلا پا کر منا منو کر پھر شام کی طرف لے اُبھرا۔ ایسے خیالوں میں گھبرا کر کپڑے وپڑے پھینک پھانک دیے، ننگا منگا فقیر بن کر شام کے مُلک میں صبح سے شام تک ڈھونڈھتا پھرتا اور رات کو کہیں پڑ رہتا۔ سارا جہاں روند مارا، پر اپنی بادشاہ زادی کا نام ونشان کسی سے نہ سُنا، نہ سبب غائب ہونے کا معلوم ہوا۔ تب دل میں خیال آیا کہ جب اس جان کا تُو نے کچھ پتا نہ پایا، تو اب جینا بھی حیف ہے۔ کسی جنگل میں ایک پہاڑ نظر آیا، تب اُس پر چڑھ گیا اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں گرادوں کہ ایک دم میں سر مُنہ پتھروں سے ٹکراتے ٹکراتے پھُوٹ جاوے گا، تو ایسی مصیبت سے جی چھُوٹ جاوے گا۔

یہ دل میں کہہ کر چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں، بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چُکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں ہوش آ گیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش مُنہ پر نقاب ڈالے مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تُو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خُدا کے فضل سے ناامید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے، تب تلک آس ہے۔ اب تھوڑے دنوں میں روم کے ملک میں تین درویش تُجھ سار کے ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے تجھ سے ملاقات کریں گے اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ہے، اس کو بھی ایک مشکل درپیش ہے، جب وہ تُم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بہ خوبی حاصل ہوگی۔

میں نے رکاب پکڑ کر بوسہ دیا، اور کہا اے خدا کے ولی! تمہارے اِتنے ہی فرمانے سے میرے دلِ پُر اضطرار کو تسلّی ہوئی، لیکن خُدا کے واسطے یہ فرمایئے کہ آپ کون ہیں اور اسم شریف کیا ہے؟ تب اُنہوں نے اپنا نام بتایا اور اتنا فرما کر نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ بارے اس فقیر نے اس کی بشارت سے خاطر جمع کر قصد قسطنطنیہ کا کیا۔ راہ میں جو کچھ مصیبتیں قسمت میں لکھی تھیں کھینچتا ہوا اُس پادشاہ زادی کی مُلاقات کے بھروسے خدا کے فضل سے یہاں تک آ پہنچا، اور اپنی خوش نصیبی سے تمہاری خدمت میں مشرّف ہوا۔ ہمارے تمہارے آپس میں ملاقات تو ہوئی، باہم صحبت اور بات چیت میسّر آئی، اب چاہیے کہ پادشاہ آزاد بخت سے بھی رُوشناس اور جان پہچان ہو۔

بعد اس کے مقرّر ہم پانچوں اپنے مقصدِ دلی کو پہنچیں گے۔ تم بھی دعا مانگو اور آمین کہو۔ یا ہادی! اس حیران سرگردان کی سرگزشت یہ تھی جو حضوری میں درویشوں کی کہہ سنائی۔ اب آگے دیکھیے کہ کب یہ محنت اور غم ہمارا پادشاہ زادی کے ملنے سے خوشی وخرّمی سے بدل ہو۔ آزاد بخت ایک کونے میں چھُپا ہُوا چُپکا دھیان لگائے پہلے درویش کا ماجرا سُن کر خوش ہوا، پھر دوسرے درویش کی حقیقت کو سننے لگا۔ اختتام ''سیر پہلے درویش کی'' (جاری)

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ میں انتظام ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ للدارین پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعاد البنات'' قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ، خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774
رابطہ نمبر: 09319530768 / 9359602830

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

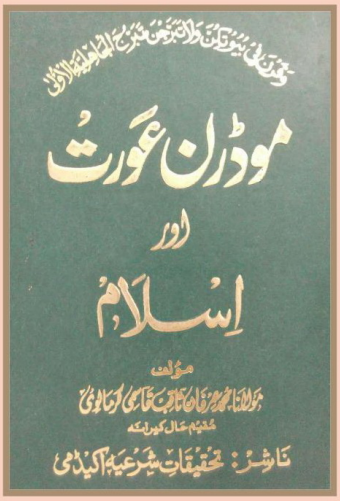

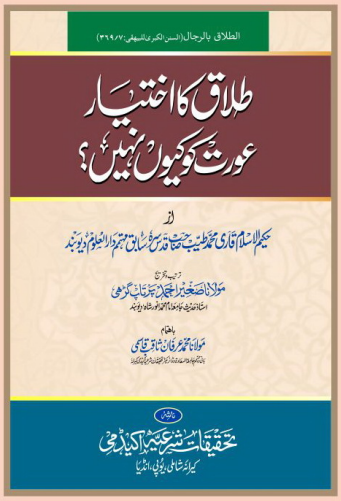

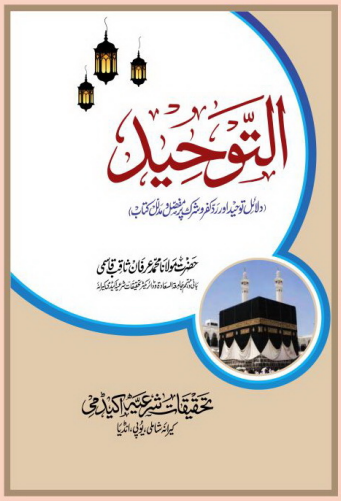

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768